أُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ

للہ الحمد کہ دریں ایام فرخندہ فرجام نسخۂ نور آگین رحمت آثار گلشن رنگین

جاوید بہار گوہر دریائے معانی

یعنی

گنجینۂ سلیمانی

از تصنیف شریف غواص دریائے فصیح اللسانی شہسوار میدان صدق بیانی

جناب مولوی مظفر حسین خاں صاحب سلیمانی

مشعر حالات معالج الدولہ خان بہادر حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطبا

شاہ آبادی معہ دیگر مشاہیر

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۷ء

یادِ ایّام

مصنفہ جناب مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء

یہ کتاب فاضل مصنف نے جناب نواب صدر یار جنگ بہادر آنریری سکرٹری کانفرنس کی تحریک سے تالیف فرمائی ہے جس میں صوبہ گجرات کے اسلامی عہد کی علمی ترقیوں کی ولولہ انگیز تاریخ نہایت تحقیق و کاوش سے لکھی گئی ہے اس کے مطالعہ سے دورِ ماضی کا علمی مرقع ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ خطۂ گجرات بھی سلاطین اسلام کے زمانہ میں علم و فن کا ایک شاندار مرکز تھا۔ مصنف کی تحقیقات و ریزہ چینی قابلِ تحسین و ستایش ہے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ، پہلے عہ میں فروخت ہوتی تھی اب ناظرین کی سہولت کے لئے اس کی قیمت دس آنہ کر دی گئی ہے۔



فہرست مضامین متعلق حالات حکیم سید فرزند علی صاحب

تہدیہ

یہ ناچیز تالیف بنام نامی عالی جناب **نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی** (تعلقہ دار حبیب گنج) ضلع علی گڑھ صدر الصدور امور مذہبی ریاست حیدر آباد دکن معنون کی جاتی ہے۔

اس کتاب کی واقعی یہ خوش نصیبی ہے کہ ایسی ذات جامع الصفات سے منسوب ہوئی کہ جو خدا داد خوبیوں میں فی زمانہ وحید العصر اور فخر قوم سمجھی جاتی ہے۔ جناب ممدوح کو قدرت نے فطرتاً وہ دل و دماغ بخشا ہے کہ جو علم و عقل کا معدن اور تہذیب و لیاقت کا مخزن تسلیم کیا گیا۔ چونکہ اس موقع پر مولانا کے محاسن اخلاق کا تذکرہ آگیا اس لیئے مناسب معلوم ہوا کہ بطور اختصار آپکے اوصاف حمیدہ کی صراحت کی جائے۔ تاکہ معزز ناظرین کو آگاہی ہو کہ اس لائف کو اک ایسے جامع کمالات کے وجود سے انتساب کا شرف حاصل ہوا کہ جو مایۂ ناز ہے۔ خاندانی رئیس ہونے کے ساتھ آپ کی علمی قابلیت

دینی فضیلت نے سونے پر سہاگے کی کیفیت پیدا کر دی۔
ایشیائی مذاق اور انگریزی تہذیب کی جامعیت سے ایک رنگ عجیب اور جلوۂ غریب ہویدا ہو گیا۔
کیونکہ بحمد ہ عربی اور انگلش دونوں علوم میں آپ کامل دست گاہ رکھتے ہیں۔
جناب موصوف کی عمر کا بڑا حصہ علمی مشاغل قومی ترقی تعلیمی مسائل کے غور کرنے میں صرف
ہوا۔ ان ہی اسباب سے بہت بڑے محقق اور وسیع النظر نقاد سمجھے جاتے ہیں۔
قومی خدمات میں محمڈن کالج علی گڑھ کے نہ صرف ٹرسٹی بلکہ اُس کی دینی شاخ و کانفرنس و انجمن ترقی
اُردو کے سکریٹری بھی رہے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن رکین اور اسکول
چھترے کے محسن و سرپرست ہیں۔
سالانہ جلسوں ندوۃ العلماء اور کانفرنس کالج کی صدارت کے لیئے آپ انتخاب
فرمائے گئے۔
تصنیف تالیف کے فن سے طبعی مناسبت اور اپنے طرز خاص کے موجد ہیں۔ ذکر حبیب
علمائے سلف، ذکر جمیل، سیرت صدیق، نقش وفا، نابینا علما، تنقید مخمون لیلیٰ خسرو، ریویو حیات جاوید
مقدمہ نکات الشعرا و دیوان درد کے علاوہ مختلف رسائل کثیر التعداد مضامین آپ کے قلم اعجاز رقم
سے صفحۂ قرطاس پر نکل کر شائع ہو چکے۔
نہ صرف نثر نگاری بلکہ شعر گوئی میں بھی ید طولیٰ ہے حسرت تخلص منشی امیر احمد صاحب مینائی
کے شاگرد رشید۔ امیر اللغات کی ترتیب کے وقت جو رائے صائب آپ نے تحریر فرمائی اُس کی داد ماہر
اُستاد امیر مینائی نے جن بیش بہا الفاظ میں زیب قلم کی تھی وہ اردوئے معلّی میں چھپ چکی ہے آپ کا
دل کش کلام اور قابل قدر تذکرہ خم خانۂ جاوید میں اشاعت پا چکے۔ اگر سخن سنجی میں
کمال ہے تو سخن گوئی میں بھی پایہ بلند ہے۔ آپ کے ذاتی شوق کا پاکیزہ نمونہ آپ کا کتاب خانہ ہے۔

اس مدینہ و دریا دلی کو دخل دیا کہ نایاب و زرنگار کتب کا ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ صدہا مطلا مذہب شاہی نسخے مشاہیر زمانہ کے قلم کی یادگار رقابل دید خرید کیے گئے۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ بجز ہز ہائنس رامپور کے دوسری لائبریری اتنی عمدہ اس صوبہ میں دیکھنے میں نہیں آئی۔

عربی دینیات و درسیات میں مفتی محمد لطف اللہ صاحب ناظم دار القضا حیدر آباد جیسے جید علامہ فاضل کے ارشد تلامذہ میں ہیں شمس العلماء علامہ مولوی شبلی صاحب جیسے نامور مورخ نے الندوہ میں آپ کی اڈیٹری ضروری سمجھی۔

آں جناب کے خاندانی وقار کا پتہ صرف اس واقعہ سے چل سکتا ہے کہ جب آنریبل سر جیمس لاٹوش صاحب لفٹنٹ گورنر نے جو آپ کے والد بزرگوار نواب محمد تقی خاں صاحب رئیس اعظم بھیکن پور کے قدیمی بے تکلف دوست تھے از خود آپ کو ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر لینا چاہا مگر آپ کے پدر نامدار نے اپنے لائق اکلوتے فرزند کی جدائی پسند نہ فرمائی۔

اعلیٰ حضرت حضور نظام فرماں روائے دکن خلد اللہ ملکہ نے آپ کی قابلیت و دیانت اتباع شریعت کی تعریف سنی۔ چونکہ اس اثنا میں بندگان عالی کے استاد عظمت مآب جناب نواب بہادر مولوی انوار اللہ صاحب فضیلت جنگ ناظم امور مذہبی کی افسوس ناک رحلت کا واقعہ پیش آ چکا تھا اور ان کی جگہ خالی تھی۔ اس وقت حضرت نظام الملک آصف جاہ بالقابہ موجودہ کی نظر آپ پر پڑی اور بصد عزت و توقیر وطن سے دکن بلوا کر صدر الصدور مذہبی جیسے منصب جلیلہ پر آپ کو سرفراز فرمایا۔

مجھے امید ہے کہ ایسے نامور ذی شان کی نسبت سے میری معمولی تصنیف کو مقبولیت اور شہرت کا اعزاز حاصل ہو۔

آپ کی مثیلین تصویر سے نہ صرف ان اوراق کی زینت بلکہ جمال صورت کا ثبوت اور

صفات مندرجہ سے حسنِ سیرت کا دائمی یادگار پیشِ نظر رہیگا۔ انشاءاللہ یہ کتاب ہر ایک معزز بزم میں جائیگی اور شائقین آپ کی خوبیوں سے آگاہ ہونگے۔

یہ امر بھی قابلِ اظہار و موجبِ سپاس گزاری ہی کہ خاکسار کی زمینداری زیرباری کی وجہ سے طبع کتاب کے معاملہ میں مشوش تھی کہ ملازمانِ والا نے اس کتاب کی طرف دستِ کرم بڑھایا اور چشمِ مروّت سے بغور دیکھا اور چھپوایا۔

یقین کامل ہی کہ بہت سے بزرگانِ دین کی روحیں آپ کی مکرمت رئیسانہ سے عالم برزخ میں مسرور ہونگی اور یہ اعانتِ حسنہ باعثِ برکاتِ دارین ہوگی۔ حق تعالیٰ ایسے علم دوست حامیِ اسلام رئیس کی عمرِ گرامی میں ہزار ترقی مدارج برکت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

راقم

محمد مظفر حسین سلیمانی مصنف بہارستان مخدوم، نامۂ مظفری، تاریخ شاہ آباد، حیاتِ نصرت، حیاتِ مسیح، گنجینۂ سلیمانی، فرزدۂ جہاں من مقام شاہ آباد

یا حکیمُ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اے صبح و شام ذکر تو ورد زبانِ ما
گویا بذکر تست زبان در دہانِ ما

ہم جاتے آگے ہیں مگر نظر پیچھے رہتی ہے اس میں قدرتِ ربّانی کا مقتضا یہ ہے کہ گزشتہ واقعات کو دیکھ دیکھ کر ہم اپنے لیئے آئندہ کا راستہ بنائیں۔ اور سنبھل سنبھل کر چلیں مگر بہت کم ہیں جو اس اصول پر چلتے ہوں۔ رہروانِ منزلِ زندگی عالمِ ہستی کی کشمکش میں نہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا قدم کہاں پڑتا ہے۔ نہ آئندہ کے لیئے گزشتہ واقعات سے سبق لیتے ہیں۔ اسی بے پروائی نے خلق اللہ کے بیشمار حصّہ کی زندگی خراب کی اور وہ اچھے اسلاف کے نااہل خلف ثابت ہوئے۔ لہٰذا ہمارا کام ہے کہ اچھے سلفوں کے حالاتِ زندگی اور ان کے نفع بخش اخلاق و عادات کو ان لوگوں کے پیش نظر کرتے رہیں جو عرصۂ ہستی کے تگ و دو میں مصروف ہیں۔ اور سیرِ زندگی

کی دشواریوں میں پھنسے ہوئے ہیں دُنیا کا معمول کام ہے کہ اگلوں کی یادگاروں کو مٹائے اور موجودہ رہروانِ شاہراہ ہستی کو غافل رکھے۔

مگر زندہ قوموں کے زندہ دل فضلا اکابر سلف کے کارناموں کو ہمسفرانِ ہستی کے سامنے پیش کرکے اُن کی رہبری کرتے رہتے ہیں۔ گزری ہوئی مبارک زندگیوں سے سبق لیکر ایسے اچھے اور بااُصول زندگی نامہ تیار کر دیتے ہیں کہ جو کوئی اُن پر عمل کرے بزرگوں کے حالات سے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اُن مرحومین اُمت کی وساطت سے فلاح دنیوی و نجات اُخروی حاصل کر سکتا ہے۔

اِس کوشش کے نتیجہ میں دُنیا کے بڑے بڑے نامور لوگوں کے حالات زندگی مدوّن ہو گئے ہیں اور اُن سے سفرِ ہستی کی ترقی یافتہ قومیں فائدہ اُٹھا رہی ہیں۔

اِس اچھے مذاق کو یورپ میں فی الحال اس درجہ نشوونما حاصل ہوگیا ہے کہ اگر کسی نے تھوڑی شہرت پائی یا کسی معمولی بات میں بھی کچھ سرگرمی دکھائی تو مرتے ہی اُس کے مبسوط ضخیم سوانح عمری مدوّن ہو جاتے ہیں اور اس کا نام لوحِ زمانہ پر ثبت ہو جاتا ہے۔

مگر افسوس ہمارے یہاں باوجود دیگر ناموروں کی کمی ہے جو چند نفوس قدسیہ نظر آتے ہیں اُن کے حالات قلمبند کرنے کی طرف بھی بہت کم توجہ کی جاتی ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں زمانہ اپنی عادت کے مطابق اُن کے کارناموں کو بھلاتے بھلاتے اُن کے ناموں کو بھی مٹا دیتا ہے۔

اِن بھول جانے والوں میں بعض ایسے تھے کہ جو ہندوستان یا مسلمانوں ہی کے سرمایۂ ناز نہیں بلکہ فخر روزگار و افتخار عالم تھے کیونکہ اُن کی زندگی سے دُنیا کی کل قومیں پاکبازی و نفع رسانی کا عام سبق لے سکتی ہیں۔

ایک پُرانے قبرستان میں جا کے کھڑے ہو اور فاتحہ خوانی کے بعد چشم عبرت بیں کھول کر تو

اُن کے تذکروں کی یاد تمہارے دل میں تازہ ہوگی اور خیال کی آنکھوں سے دیکھو گے کہ کیسے کیسے نامور علما، فضلا، حکما، و اطبا، اتقیا و اصفیا خاک کی چادریں پیچھے پڑے ہیں۔ اُن کی مُبارک ذاتوں سے کیسے کیسے فیض کے چشمے جاری تھے۔ علم و حکمت کا عالم اُن کے زیر نگیں تھا اور زمانہ اُن کی غلامی کر رہا تھا۔ مگر جیسے ہی آنکھوں نے دُنیا کو چھوڑا دُنیا نے اُنھیں چھوڑ دیا۔ اور آج نام لینا اور اُن کے کمالات کا افسانہ بیان کرنا درکنار کوئی فاتحہ خواں بھی نہیں۔ ہمارا کام تھا کہ اُن کے حالات کی اشاعت کر کے اُن کے مبارک ناموں کو چمکاتے اور اُن کے کارناموں کو لوحِ زمانہ پر نقش کر دیتے مگر ہم نے غفلت کی! اور بے وفا دنیا نے اُن کی زندگی کی یاد مٹا دی۔

ہزار ہا اسلاف کے نام مٹ جانے کا خیال اِس خاکسار ذرّۂ بے مقدار کے دل و دماغ پر اثر کر گیا اور دُھن پیدا ہوئی کہ جن اخلاقِ حسنہ اور علم و فضل کی شمعوں کی روشنی قبروں کی تاریکی سے باہر نہیں نکلتی اُن کو باہر نکال کے اس طرح روشن کروں کہ اُن سے دُنیا منوّر ہو جائے۔ مگر افسوس بہت سے نامور ایسے ہیں جن کے حالات کا پتہ لگانا دشوار ہے۔ نہ مصنّفوں نے اُن کے متعلق کچھ لکھا اور نہ کوئی ایسا مستند راوی باقی ہے جس سے دریافت کر کے اُن کی زندگیوں کی گل شدہ شمعیں از سرِ نو روشن کی جائیں۔

اس جستجو میں نظر ایک ایسی عالم افروز شمعِ روزگار پر پڑی جو ابھی کل تک روشن تھی اور حیرت زدہ آنکھیں ایک مدّت تک اس کے نورِ فیض سے استفادہ کرتی رہی ہیں۔

اِس شمعِ عالم افروز سے میری مراد **افسر الاطبا معالج الدولہ خاں بہادر حکیم سید فرزند علی صاحب مرحوم** ہیں جن کو سفرِ آخرت فرمائے بیس ہی سال کا زمانہ ہوا ہے۔ مجھے اُن کی شاگردی و رفاقت کا مدتوں فخر حاصل رہا۔ اکثر سفر و حضر میں اُن کے ہمراہ رہنے کا اتفاق ہوا۔ **اُن کی ذاتی خوبیوں زہد و اتقا راستبازی و پاک نفسی علمی تبحر اور حذاقت و کمالات**

کے صدہا واقعے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

فضائل دنیوی برکات اخروی اور نفع رسانی خلق کے لحاظ سے اُن کی ذات بابرکات ایک ایسی مشعل فیض تھی کہ جس کی روشنی آج تک میری آنکھوں میں بسی ہوئی ہے۔

لہذا خیال کیا کہ پہلے اسی چراغ کو اُکسا کے اس کے نور سے عالم کو منوّر کروں۔ حکیم صاحب اعلی اللہ مقامہٗ میرے پدر بزرگوار کے دل دوست اور میرے بزرگ تھے۔ اپنے وطن کے سرمایۂ ناز اور خاکسار کے ہم وطن۔ اِن کی برکتوں نے جس خوبی و وسعت سے خلقت کو دینی و دنیوی اخلاقی و معاشرتی علمی و طبّی فائدے پہونچائے ہیں اُن کو میں نے آنکھوں سے دیکھا اُس کا نقش میرے دل سے مٹ نہیں سکتا اور اُن کے کمالات ظاہری و باطنی کے جو نقش میرے لوح دل پر ثبت ہیں اُنھیں کو میں اس سیرت کی شان سے ابنائے زمانہ کے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ جیسا نفع عام خود حکیم صاحب کی زندگی سے اُن کے معاصرین کو پہونچا ویسا ہی اُن کی اس سیرت کے ذریعہ سے دنیا والوں کو قیامت تک پہنچتا رہے۔ حکیم صاحب کی خوبیاں اور کمالات تو ناظرین کو اس کتاب کے آئندہ صفحات پر شرح و بسط سے نظر آئینگے۔ مگر اس موقع پر دیباچہ میں اجمالاً اس بات کو دکھا دینا چاہتا ہوں کہ وہ کیسی عام مقبولیت و مرجعیت کے بزرگ تھے۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد ہنوز حکیم صاحب کے نشو و نما کا زمانہ تھا کہ اُن کی شہرت و ناموری اعلیٰ ترین سرکاروں اور قوم کے معزز ترین درباروں تک پہنچ گئی۔

چنانچہ حضرت سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ اودھ نے حکیم صاحب کی لیاقت اور خوبیاں سنکر اپنے ولی عہد صاحب عالم میرزا محمد حامد علی بہادر کے توسط سے خلعت و خطاب معالج الدولہ خان بہادر سے سرفراز فرمایا۔ اور اس بارہ میں جو فرمان صادر ہوا وہ مع مہر خطابی کے آج تک بجنسہ محفوظ رکھا ہوا ہے۔ خاندان شاہی میں آپکے اوصاف کا تذکرہ

آنے کا ذریعہ کئی حضرات ہوئے ان میں سب سے اوّل حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی منشی میر اولاد علی صاحب جو میرزا اسکندر حشمت محمد جواد علی بہادر عرف جرنیل صاحب برادر شاہ اَوَدھ کے اوستاد و مصاحب و سکرٹری تھے۔ وہ بعد انتقال جرنیل صاحب کے لندن میں رہ گئے اور چالیس سال تک کیمبرج یونیورسٹی کے اور ڈبلن میں ٹرنٹی کالج کے پروفیسر رہے جن کے لایق انگریز شاگرد یورپ سے ہندوستان آکر بعض اضلاع میں کلکٹر و کمشنر رہ چکے ہیں دوسرے مولوی محمد شاہ صاحب جو سرکار شاہی کے معتمد علیہ ملازم تھے۔ مقدمہ سلطنت کے لئے میرزا ولی عہد بہادر کے ہمراہ انگلستان بھیجے گئے اور حکیم صاحب کے ہم مکتب اور بچپن کے دوست تھے۔

تیسرے تاجدار اَوَدھ کے دوسرے فرزند شہزادہ فریدوں قدر میرزا ہزبر علی بہادر جن کو اپنا مہمان کرنے کا افتخار بھی حکیم صاحب کو حاصل ہوا تھا۔

الغرض ۱۲۷۸ھ میں اس خطابی اعزاز سے حکیم صاحب بہرہ ور ہوئے۔ اس فرمان کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا کہ یہ اسلامی دربار شاہی آپ کا کس درجہ قدر شناس تھا۔



نقل فرمان شاہی

محمد حامد علی بہادر ۱۲۶۵
قیصر حشم صاحب عالم ولی عہد مرزا
جاه
ابوالنصرت کیوان قدر ہمایوں

حضرت اقدس و اعلیٰ اعاداللہ ملاحظہ

حکم نامہ

باہم حکمت و فضیلت شعار سیادت و شرافت دثار معالج الدولہ حکیم سید فرزند علی خان بہادر مشمول عواطف بیشمار
ازانجا کہ ہمت والا نہمت حضور پر نور ہموارہ متوجہ احوال ارباب فضل و کمال می باشد ہنگام نہضت
رایات عزیمت بسمت ولایت اوصاف کمالات علمی و حکمی آں سیادت دثار زبانی شرافت دستگاه
منشی سید اولاد علی و بعضے دگر مقربان بساط فیض مناط بارہا بمسامع فیض مجامع رسیده موجب مزید
التفات و توجہ خاطر کرامات مظاہر بحالت ایشاں گردیده بود درینولا کہ تجدید و تزئید مسند بحرتہا

یعنے مستعلجین آں فضیلت آئین نیز شدہ و نسخ مجوزہ و عرضی و عرضداشت ایشاں بملاحظہ والا
درآمدہ چنانچہ بہین سفارش حضور فیض معمور عرضداشت مع نسخ بنظر کیمیا اثر بندگان حضرت
گزشت از تائیدات حضرت شافی مطلق جلت حکمتہ باستعمال بعضے ازاں نفع عاجل و
فائدہ کامل حاصل گشت بنا برآں حکم فیض شیم بندگان والا دربارہ
جہت عطائے مہر خطاب مندرجہ بالا و خلعت پنج پارچہ عز نفاذ یافتہ بذریعہ عزیز القدر
مہدی قلی خاں بہادر حملہ عطایا ے حضرت ظل اللہی تر ذال عمور بلواطنت شاہی خواہد رسید و
ہر چند طلب تقرر آں سیادت و ثار ہم اقتضاے خاطر دریا مقاطر بندگان جلیل الشان حضرت
بودہ است مگر بسبب بعضے وجوہ و مصالح کہ مراعاتش نظر بمنافع آں عزت دستگاہ مد نظر
فیض اثر حضور ست در رائے عاطفت انتمائے حضور تانی و تراخی یک چند روزہ دریں باب
متعارن بصواب لازم کہ خود را در جمیع اوقات مطمح انظار و عنایات تصور نمودہ تاحین تحصیل شرف
حضوری اطلاع حالات خود بذریعہ عرائض می کردہ باشند و تعجیل باحضار یک دو نسخہ دیگر چنانچہ
بالواسطہ امر رفتہ است برخود از واجبات شناسند فقط
مرقومہ سیوم ربیع الاول ۱۲۷۵ھ ہجری

اسی دربار شاہی پر منحصر نہیں حکیم صاحب کے تعلقات جس سرکار سے رہے اور
جس دولت کو ان سے آزمانے اور آپ کے کمالات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا وہ بھی ویسی
ہی مداح اور قدردانی پر مجبور رہی۔
نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کرون آف انڈیا، رئیس والا درجہ اعلیٰ اعلائے
ستارہ ہند جی سی ایس آئی والیہ بھوپال سے حکیم صاحب کو ابتدا درجہ کا تقرب حاصل تھا

اور ان کے ایسے مزاج داں تھے کہ بڑے بڑے عہدہ دار اپنے مقاصد کو اکثر حکیم صاحب سے عرض کرا کے حاصل کیا کرتے اور معاملات کے متعلق تحریری مشورہ بھی دیتے۔ محتشم الیہا نے اپنی مصنفہ تاریخ بھوپال "تاج الاقبال" میں اپنے مخصوص و ممتاز ملازمین کے سلسلہ میں آپ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ان کے بعد ہر ہائینس نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند جی سی آئی ای جی سی، ایس آئی جی بی ای۔ فرماں روائے بھوپال دام ملکہا کی بارگاہ میں حکیم صاحب کو ایسی خصوصیت حاصل تھی کہ اپنی لائف موسومہ بہ تزک سلطانی کے صفحہ (۲۱۲) میں تحریر فرماتی ہیں کہ جب نواب محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر (آپ کے بڑے فرزند و ولی عہد) بیمار ہوئے تو آخر گھبرا کر میں نے (اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں) عریضہ بھیجا کہ حکیم فرزند علی کو جو ہمیشہ سے ہمارے معالج ہیں اور ان کو مزاجوں کا تجربہ ہے اور اب یہاں کی علیحدگی کے بعد راج گڑھ میں ملازم ہیں بلانے کی اجازت دی جائے۔

۱۴ رجادی الاول ۱۳۴۱ھ یوم جمعہ کو جب قصر سلطانی احمد آباد میں ہر ہائنس نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ والیہ ملک بھوپال کے حضور میں اس خاکسار کو شرف باریابی حاصل ہوا اور راقم نے دریافت کیا کہ حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطبا کے متعلق سرکار عالیہ کے کیا خیالات ہیں تو جناب ممدوحہ نے نہایت سنجیدگی سے ایک لطیف پیرایہ میں کچھ گزشتہ حالات کی صراحت کر کے اپنی زبان گوہر افشاں سے فرمایا کہ میں حکیم صاحب کو نیک و لائق اور خدا پرست و عبادت گزار جانتی ہوں۔

اس ارشاد سے بھی معتمد و مقرب ہونے کی تصدیق ہوئی۔

حکیم مولوی عبد القادر خاں صاحب شاہجہانپوری جو اس سے پیشتر مہاراجہ بہادر

جے پور کی سرکار سے وابستہ تھے اور حکیم صاحب کی وفات کے ایک مدت بعد بھوپال کے افسر الاطبا مقرر ہوئے حکیم سید فرزند علی صاحب کی نسبت فرماتے تھے کہ قدرت نے حکیم نے علاج و اخلاق کی وہ خوبیاں حکیم صاحب کو عطا کی تھیں جو فی زمانہ معدوم ہو رہی ہیں وہ ایک کریم النفس و لاجواب بزرگ تھے۔

حکیم حاجی مولوی عبدالقادر خاں صاحب کا یہ قول سچ یہ ہے کہ شوق فیصل کا حکم رکھتا ہے۔

ایسی خوبیاں معلوم ہونے اور ایسی قدرداں سرکاروں اور نامور بزرگوں سے ان کی تصدیق ہو جانے کے بعد سخت ظلم تھا۔ اور میری نہایت کوتاہی تھی اگر میں حکیم صاحب مرحوم کے حالات کو لوح زمانہ پر نہ لکھ دیتا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ حکیم صاحب کی زندگی میں ان حالات کو قلمبند کروں اور اس کا تذکرہ خود ان سے کیا انھوں نے مجھے حالات کا شتیاق دیکھ کر دربار اودھ اور ریاست بھوپال کے تعلقات اور اپنی لکھنؤ کی سکونت و تعلیم کے بہت سے حالات نفس نفیس بیان فرمائے۔ اپنے خطوط اور کاغذات کا کافی ذخیرہ مجھے دکھا دیا۔ اور اس کے بعد معمول یہ ہو گیا تھا کہ اکثر لوگوں کو جو خطوط اور تحریریں بھیجتے مجھی سے لکھا کر بھیجتے اور زیادہ تر اس خوش نصیبی کا موقع مجھے اس لئے ملا کہ میں ان کا شاگرد تھا تحصیل علم کی ضرورت سے سفر حضر اور خلوت و جلوت میں اکثر ساتھ رہا لہذا اس تصنیف کے لئے جیسا اچھا مواد میری نظر سے گزرا اور میرے دل و دماغ میں موجود تھا اور کسی کو نہیں نصیب ہو سکتا۔ چنانچہ اس قومی خدمت کو میں نے اپنے ذمہ لیا اور جناب مرحوم کی سوانح عمری کو پوری کوشش و احتیاط سے مرتب کر دیا دوسری بڑی اہم اور ضروری چیز اس تصنیف میں یہ ہے کہ حکیم صاحب کی وسعت احباب اور کثرت

تعلقات کی وجہ سے ان کے حالات کے سلسلہ میں اور بہت سے ایسے ناموران وطن و قوم کے حالات قلمبند ہو گئے ہیں۔ جن میں اکثر کے نام گمنامی کی تاریکی میں پڑ گئے تھے مگر دنیا کو ان کے یاد رکھنے اور بعد والی نسلوں کو ان کا احترام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حیثیت سے یہ کتاب بہت سے بزرگان قوم کی زندگی ناموں کا دلچسپ مجموعہ ہے بہر حال مجھ سے جو کچھ ہو سکا حوالۂ قلم کر کے آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔ کامیابی اور قبول عام خدا کے اختیار ہے وھو الموفق للصواب ؎

اے دریاہ لطف تو چوں سایہ عالمے
آوردہ ام بسایۂ لطفت پناہ خویش

ابتدائی حالات

حکیم حاجی مولوی سید فرزند علی صاحب آٹھویں جمادی الاخریٰ سنہ ۱۲۴۲ھ کو شاہ آباد میں پیدا ہوئے جو مقام فی الحال ہردوئی کے ضلع میں واقع ہے۔ پدر بزرگوار سید نظام علی عرف سید ضامن علی صاحب سادات بنی فاطمہ سے تھے چنانچہ اجداد امجاد کا سلسلہ امام علی نقی کے ذریعے سے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تک پہنچتا ہے جد امجد سید جلال الدین ابن سید کمال الدین ابن سید بہاء الدین ابن سید شمس الدین جن کا سلسلہ نسب بارہ پشت کے بعد امام تقی علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے اور نقوی بخاری کہلاتے تھے آپ کے اجداد میں سید جلال بخاری بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں۔ نانا مولوی سید عبد الرحمٰن صاحب ذی علم اور ستودہ صفات بزرگ تھے۔ ان کے شفیق بھائی خلیفہ سید عبد الرزاق صاحب یمنی یگانۂ روزگار اور صاحب فضل و کمال مشہور ہیں چنانچہ نواب صدیق حسن خاں نے تذکرہ شمع انجمن کے صفحہ ۴۴ میں:

ان کی نسبت لکھا ہے۔

یعنی سید عبدالرزاق شاہ آبادی سید عالی نژاد بود و سلالہ سلسلہ امجاد و در جودت طبع و سلامت مزاج و مہارت فنون فارسی ممتاز عصر میز لیست

حکیم صاحب کے والد بزرگوار بھی ذی لیاقت اور شاعری میں دستگاہ کامل رکھتے تھے چنانچہ ملکہ حیاط کی فرمائش سے جو بادشاہ اودھ نصیر الدین حیدر کے عہد میں دولت و قدر دانی علم میں ترقی کرتے کرتے اک فیاض امیر کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔ اُنھوں نے اک مثنوی بنام مثنوی ملکہ بڑی قابلیت و خوش اسلوبی سے لکھی اُس میں انتزاع سلطنت لکھنؤ کے پُر انقلاب زمانہ کو ایسی خوبی سے نظم کیا کہ پڑھنے والوں کے دل پر نہایت اثر پڑتا ہے غالباً یہ واقعہ آنھوں نے غدر کے بعد بڑھا دیا۔

حکیم صاحب کے خاندان کو لکھنؤ کی سلطنت سے قدیم تعلق رہا چنانچہ والد محترم نائب چکلہ داری کے عہدہ پر مامور تھے۔ محلہ سبحان نگر میں مکان تھا اور اکثر تھانہ منڈیاؤں میں قیام رہا کرتا تھا اور ان کی وجہ سے حکیم صاحب کا بچپن شاہ آباد اور لکھنؤ دونوں جگہ گزرا سن تمیز کو پہونچے تو لکھنؤ میں تعلیم شروع ہوئی اور پہلے پہل فرنگی محل کے قریب اور تجمل حسین خاں کے پھاٹک کے اندر الٰہی بخش کی ایک مسجد مشہور تھی اُس میں پڑھنے کو بٹھائے گئے ان کے دینیات و درسیات کے اوستاد مفتی سعد اللہ[1] صاحب تھے جن کے علم و فضل کی دور دور شہرت تھی اور اس مدرسہ میں آپ کے ہم مکتب مولوی محمد شاہ صاحب و مفتی حافظ عنایت حسین صاحب مینائی برادر

---

[1] مفتی سعد اللہ صاحب مشہور عالم ہیں جو مدتوں لکھنؤ اور رام پور میں مفتی رہے اصلی وطن مراد آباد تھا۔ ۱۲۱۹ھ ہجری میں پیدا ہوئے تاریخ ولادت ظہور حق ہے۔ بڑے ہوئے تو ذوق علم دہلی میں لے گیا جہاں مولوی محمد حیات اور مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور بانی مدرسہ دار البقا کی درسگاہ میں کتب درسیہ کی

منشی امیر احمد صاحب سے تھے یہ تعلیم ایسے اچھے مکتب اور ایسے قابل ہم سبقوں کے ساتھ تھی کہ
بہت ہی جلد فارسی کی درسی کتابوں اور عربی کے دقیق فنون صرف و نحو، منطق، معانی، بیان

(بقیہ صفحہ ۶) تحصیل کی کبھی کبھی مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوتے اور
دقیق مسائل کو حل کرتے چونکہ ان دنوں لکھنؤ دولت و قدردانی کا مرکز تھا لہذا ۱۲۴۱ھ میں تشریف لائے یہاں مولانا
محمد اشرف، مفتی محمد ظہور اللہ، مولوی محمد اسمٰعیل مرادآبادی، مولوی میرزا حسن علی صاحب محدث لکھنوی سے
استفادہ علمی کیا ۲۹ سال کی عمر تھی کہ مدرسہ شاہی لکھنؤ کے پروفیسر اور دفتر شاہی کے مترجم مقرر ہوئے بعدازاں
مفتی عدالت کے عہدہ پر تقرر ہوا جس خدمت کو ایک مدت دراز تک انجام دیتے رہے ۱۲۶۸ھ ہجری میں حرمین
شریفین کی زیارت سے شرف یاب ہوئے اور مکہ معظمہ میں شیخ العلماء مولانا شیخ جمال سے سند حدیث کی تجدید
فرمائی۔ ارض حجاز سے واپس آکر پھر لکھنؤ میں خدمت افتا انجام دیتے رہے۔ غدر کے بعد ۱۲۷۴ھ ہجری میں مفتی
صاحب ممدوح کو والی رامپور نواب محمد یوسف علی خاں بہادر فردوس مکان نے جو مفتی صاحب کے شاگرد تھے رامپور
بلوایا اور عہدۂ افتاء عدالت و افسری مدارس پر ممتاز کیا عربی و فارسی دونوں زبانوں کے شاعر تھے اور
آشفتہ تخلص تھا۔ چنانچہ ایک قصیدہ اپنے استاد مفتی صدرالدین خاں صاحب کی مدح میں بھی لکھا ہے علم و فضل کے علاوہ
عابد مرتاض اور صاحب باطن بھی تھے۔ مکہ معظمہ میں عارف باللہ شیخ یحییٰ کے حلقہ مراقبہ میں شریک ہوئے اور
شاہ غلام علی صاحب دہلوی خلیفہ مجدد الف ثانی سے بیعت تھی ۷۵ سال کی عمر میں ۱۴ رمضان ۱۲۸۳ھ
روز یکشنبہ کو روزہ سے تھے اور قصیدہ بردہ کا درس دے رہے تھے کہ یکایک فالج گرا اور اسی مرض
میں سفر آخرت فرمایا۔ اور [illegible] صاحب کے مزار کے متصل مدفون ہوئے (مات مفتی الانام سعداللہ)
تاریخ وفات ہے۔ ۸۳ کتابیں اور رسالے یادگار چھوڑ گئے جن میں القول المانوس فی صفات القاموس،
نوادر الاصول [illegible] نکات البیان فی تحقیق السبحان، رسالہ تناسخ، وسیلۃ النجاۃ فی مسائل
الزکوٰۃ، [illegible] شرح [illegible] الاشعار، قصیدہ لامیہ، عربیہ فارسیہ، حاشیہ سلم، جواہر العروض،
[illegible] بعض چھپ بھی گئی ہیں۔ دو فرزند مفتی لطف اللہ
[illegible] علم و فضل تھے مفتی لطف اللہ [illegible]
[illegible]

(بقیہ صفحہ ۸)

اور فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ سے فراغت حاصل ہوگئی تو [illegible] علم طب

کی طرف توجہ کی۔ لکھنؤ میں ان دنوں حکیم ملا محمد نواب صاحب [illegible] کا بڑا شہرہ تھا [illegible]

(بقیہ صفحہ ۶)

عنایت فرمائے [illegible] پدر بزرگوار کی بیٹی رامپور میں تھیں [illegible] ۱۲۸۵ھ میں انتقال ہوا۔ مفتی سعد اللہ صاحب، حکیم سید فرزند علی صاحب کو اپنا [illegible] اور [illegible] الرزول [illegible] کرتے تھے جس کی تصدیق ان کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے جو [illegible] ۔ ۱۲

لہ ملا صاحب موصوف کے مورث اعلیٰ احمد شاہ درانی کے عہد سے ضلع [illegible] میں جاگیردار تھے آپ کی ولادت تلونڈی کا مقام قرار ہے۔ اصلی نام نواب خان تھا مگر طبیعت تواضع پسند تھی اس لئے نام میں خانی شامل نہ کی بلکہ محمد نواب اپنا نام قرار دیا۔ آپ کے والد سعد اللہ خاں قوم کے افغان مگر والدہ سیدہ تھیں۔ ابتدائی تعلیم فارسی عربی کتابیں اپنے ملک میں پڑھ کے بیس برس کی عمر میں زمینداری کے جھگڑوں کو خیرباد کہکر ہندوستان چلے آئے لکھنؤ رامپور میں قیام کیا۔ منطق، فلسفہ مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی سے پڑھا بعدہ دہلی جاکر مفتی صدر الدین خاں صاحب تلمیذ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث سے کتب حدیث کی تجدید کی۔ اس کے بعد وہیں مشہور زمانہ حکیم امام الدین خاں صاحب دہلوی سے فن طب کی تحصیل کی اس کے بعد پھر لکھنؤ آئے اور حکیم مسیح الدولہ بہادر طبیب شاہی کے پاس مطب کیا اور عطیہ شاہی سے سرفراز ہوتے اور یہیں ملا نواب کے لقب سے ملقب کئے گئے اسی زمانہ میں کہ چالیس برس کی عمر تھی خالص پور کے ایک شریف القوم پٹھان کی دختر سے عقد کیا۔ جب نواب کلب علی خاں بہادر والی رامپور کی استادی کے لئے ایک فاضل روزگار کی ضرورت ہوئی تو ملا صاحب منتخب ہوئے اور حسب ایما مولوی فضل حق صاحب آپ رامپور گئے اسی وجہ نواب خلد آشیاں تا حیات ملا صاحب کی نہایت عزت و خاطر کرتے رہے ایک خط ملا صاحب کا نواب صاحب رامپور کے نام اور نواب صاحب کا ملا صاحب کے نام راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ بعد ختم تعلیم رامپور سے ملا صاحب بھوپال تشریف لے گئے اور نواب سکندر بیگم [illegible] بھوپال [illegible] کئی سال معزز و معتبر طبیب رہے [illegible] کہ وہاں سے ہجرت کا قصد کیا اور مکہ معظمہ چلے گئے [illegible] ریاست سے [illegible] تاہم ان کو رخصت ملی ۱۸۵۹ء میں ملا صاحب مکہ معظمہ پہنچے پھر تا زیست [illegible] واپس آنے کا قصد نہیں کیا باوجودیکہ ۱۸۶۳ء مطابق ۱۲۸۰ ہجری میں نواب سکندر بیگم صاحبہ

(بقیہ صفحہ ۹)

پڑھائے جاتے تھے حکیم صاحب نے انہیں کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ لکھنؤ میں کتب طبیہ
کے درس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حکیم صاحب کو خیال ہوا کہ دہلی میں چل کر حکیم امام الدین
خاں صاحب سے [illegible] علم سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے جو حکیم ملا محمد نواب صاحب کے اُستاد تھے۔ یہ علمی

(بقیہ صفحہ ۸)

اور ۱۲۸۹ھ میں نواب کلب علی خاں بہادر حج کے لئے مکہ معظمہ گئے اور یہ دونوں والیان ملک
یکے بعد دیگرے ملا صاحب سے [illegible] کے متعلق اصرار کرتے رہے اور وہ [illegible] گزشتہ علمی و ملکی لیاقتوں سے
نہایت وقار کے ساتھ رکھنے کو تیار ہے [illegible] ملا صاحب نے عابدانہ زندگی کو شاہانہ حیات پر ترجیح سمجھا اور یہ جواب دیا
کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس [illegible] اس کے دروازہ کو چھوڑ کر مخلوق کے در پر جاؤں آخر عمر تک طب کے
ذریعے سے بسر اوقات کی اور کبھی علم دین کو حیلۂ رزق قرار نہیں دیا دنیاوی جاہ و حشمت آسایش و عشرت
ملتی ہو اور والیان ملک قدر کرتے ہوں اور وہ منزلت جو اہل کمال کا منتہا ہو حاصل ہوتی ہو اس کو چھوڑ دینا
انتہائے استغنائی اور دینداری ہے۔ ملا صاحب ہی کی تحریک سے نواب کلب علی خاں بہادر نے ایک لاکھ روپیہ
نہر زبیدہ کی مرمت کے لئے مکہ معظمہ بھیجا تا حیات ملا صاحب کو نواب صاحب رامپور بلا تعین مقدار سالانہ رقم
دیتے رہے اور خط و کتابت جاری رکھی۔ آخر عمر میں جذبۂ خدا پرستی غالب ہو کر علاج سے بھی دل اُچٹ سا گیا
تھا مریضوں کو اپنے لائق صاحبزادہ حکیم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس علاج کو بھیجتے تھے لیکن معتقد مریض
آپ ہی سے رجوع کرتے۔ ملا صاحب کی قوتِ حافظہ غضب کی تھی اور طرزِ بیان ایسا دل فریب تھا کہ جس محفل میں
یہ ہوتے اہلِ جلسہ انہیں کی طرف ہمہ تن گوش بن جاتے تھے۔ باوجود افغانی ہونے کے پشتو، فارسی کے علاوہ عربی
اُردو سب زبانوں پر قادر تھے اُردو ایسی فصیح بولتے تھے گویا اُردوئے معلیٰ خاص ان کی زبان ہے۔ ملا صاحب
کے علم ادب کی تعریف سن کر واجد علی شاہ بھی مشتاق ہوئے تھے علمائے مکہ معظمہ میں آپ کا متکلمین میں شمار
تھا اور آپ کی نہایت تعظیم و تکریم کی جاتی تھی۔ شریف مکہ عبداللہ پاشا جو بڑے ہر دل عزیز حاکم تھے اور تدبیر ملکی میں
جیسے کہ سر سالار جنگ مختار الملک ہند میں مشہور تھے اس طرح وہ عرب میں شہرت رکھتے تھے ملا صاحب کی
حد سے زیادہ خاطر و تعظیم کرتے۔ اسی وجہ سے اہل مکہ ملا صاحب کو بڑی توقیر و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے بہت سے
اہل اغراض کی حاجتیں حکومت کی طرف سے بتوسط ملا صاحب پوری ہوتیں مگر کبھی اپنی ذات کے لئے آپ نے

(بقیہ برصفحہ ۱۰)

ڈھن ڈھل گئی جہاں پہنچکر مدرسہ دار البقا میں اپنے ہم مکتب دوست مولوی ارشاد حسین صاحب

(بقیہ صفحہ ۹) کوشش نہیں کی ہمیشہ شریف صاحب کو آرزو رہی کہ ملا صاحب کے اہل و عیال کو کوئی نفع پہنچے اور خود بھی کہا مگر ملا صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ شیخ عمر شیبی کلید بردار کعبہ اور سید دلی بریکا دولتمند با رسوخ اہل مکہ میں شمار تھا وہ ملا صاحب کے خاص دوستوں میں تھے۔ شریف حسن پاشا جو قسطنطنیہ میں شاہی مقربین سے گزرے ہیں وہ بھی ملا صاحب کی بڑی توقیر کرتے۔ ملا صاحب باخدا صوفی مشرب تھے وحدۃ الوجود کے مسئلہ پر ایسی پسندیدہ طرز سے گفتگو فرماتے کہ خاص ان کا حصہ تھا آخر عمر میں قرآن مجید حفظ کیا تھا تا دم مرگ ہر روز نماز تہجد میں ایک منزل قرآن شریف پڑھا کرتے۔ شاہ احمد سعید مجددی کے ہاتھ پر اگرچہ بیعت کر چکے تھے مگر شیخ ابراہیم رشیدی جو خضریہ طریقہ کے مکہ معظمہ میں شیخ مانے جاتے اُن سے بھی خلافت حاصل کی مگر اپنا کسی کو مرید نہیں کیا۔ ہاں اپنے شیخ کے فضائل بزرگی و کرامت بیان کر کے لوگوں کو ان کا معتقد و مرید کرا دیا کرتے تھے۔ جس مجلس میں ملا صاحب ہوتے تو حاضرین مجلس کے مرغوب گفتگو کرتے اور باوجود اس کے دلتوڑے کہ کسی کا دل نہیں دکھاتے۔ ابتدائے عمر میں خلاف شرع امور پر لوگوں کو روکتے تھے مگر آخر عمر میں نرمی سے نصیحت کرنے کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ ان کا قول و اعتقاد تھا کہ خدا کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے اور کوئی گنہگار مسلمان مغفرت و رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہو۔ ذات باری کی رحمت اور صفات بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے تھے۔ کسی دوست کی بُرائی سننے کے روادار نہ ہوتے جو عیب دیکھتے پوشیدہ طور پر کہہ دیتے اور علانیہ کہتے تو کنایۃً خاطی خبردار ہو جاتا اور کسی کو آگاہی نہ ہوتی۔ نہایت بے ریا اور مخلصانہ ملتے۔ ہر ایک شخص کی حاجت روائی میں کوشش کرنا ان کا سرشتی شعار تھا۔ جب مولوی محمد احسن صاحب کنبوہ مہاجر پر محمد احمد سوڈانی کی سازش کا مکہ میں الزام لگا اور وہ گورنمنٹ ترکی کی طرف سے گرفتار ہوئے تو اس وقت عثمان پاشا گورنر مکہ تھے جو نہایت زبردست اور ذی رعب شخص گزرے اُن سے ملا صاحب نے جا کر سفارش کی اور ارباب عمال کو ایک درخواست اہل مکہ کی طرف سے جس پر سب سے پہلے اپنی مہر کی اور اس خطرناک وقت میں جب کہ دوسرے کو جرأت نہ تھی بھجوائی۔ چھ سال انتقال کے پیشتر ملا صاحب نے مصر و قسطنطنیہ کا سفر کیا استنبول میں ان کی شہرت و تصنیف الحمیاتی سے سب زیادہ مجمع اکٹھا ہونا شروع ہوا تو تحقیق حال کے لئے ملکو

(بقیہ صفحہ ۱۱)

مجددی رام پوری کے ساتھ ٹھیرے اور حکیم امام الدین خاں صاحب[1] کی خدمت میں حاضر ہوئے جو علامۂ وقت اور فن طب میں علوی خاں ثانی مشہور تھے ان کی شاگردی اختیار کر کے طبی تعلیم

(بقیہ صفحہ ۱۰)

کی طرف سے نظربند کئے گئے آخر کار بے قصور ثابت ہوئے۔ دو ڈیڑھ برس سفر کر کے پھر مکہ معظمہ واپس آئے
مقلد تھے مگر ائمہ کی تقلید امر لازمی و فرض نہیں جانتے۔ خوش خوراک اور ٹھنڈے پانی کے نہایت شائق تھے۔ گرمی کے موسم میں اکثر طائف جا کر بسر کرتے۔ طرز معاشرت میں آزادانہ رنگ تھا عمامہ سر سے اتار کر رکھ دینا عادت میں داخل تھا۔ اُن کا یہ قول تھا کہ بچوں پر رعب رکھنا آئندہ اچھی تربیت کے لئے ضروری امر ہے اور کسی بات کو ناممکن سمجھنا کوشش نہ کرنے کی دلیل ہے۔ ملا صاحب بمقام مکہ معظمہ اُن فصحا میں تھے جو عربی زبان کے حروف اصلی مخرج میں ادا کرتے ہیں۔ ملا صاحب بڑے قد آور اور نہایت خوبصورت انسان تھے۔ بلند ناک سرخ و سفید رنگ ہندوستانی وضع کا لباس پہنتے لانبا کرتہ اور جبہ ہندوستانی طرز کا عمامہ باندھتے۔ گھر سے باہر جاتے تو اکثر تصوف کی کوئی کتاب ہاتھ میں ہوتی۔ صد حیف کہ ایسے اکمل روزگار نے روز چہارشنبہ ماہ جمادی الآخر ۱۳۱۹ھ ہجری مطابق ۱۸۹۲ء کو خناق کے مرض میں قریب بچاسی برس کے سن میں انتقال فرمایا اور مکہ معظمہ میں اپنے پیرو مرشد شیخ ابراہیم رشید کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ کی اولاد میں بڑے صاحبزادہ حکیم محمد اسمٰعیل صاحب نہایت قابل تھے مگر جوان مرگ چل بسے۔ اب بھی چار صاحبزادے موجود ہیں۔ حکیم ملا عبدالرشید جو نہایت شگفتہ رو ذی اخلاق انسان ہیں۔ وہ آپ کے چھوٹے بیٹے ہیں راقم کو اُن سے نیاز حاصل ہے اور یہ حالات جو آنریبل حاجی اسمٰعیل خاں صاحب تعلقہ دار دتاولی سے دستیاب ہوئے وہ انھیں صاحبزادہ کی تصحیح و تصدیق سے راقم نے درج کئے۔ ملا صاحب کے شاگردوں میں حکیم سید فرزند علی صاحب اور مولوی ارشاد حسین صاحب مجددی جیسے نامور اور مشہور زمانہ گزرے ہیں ۱۲

[1] حکیم امام الدین خاں صاحب کا علوم طب و فلسفہ میں پایہ نہایت بلند تھا اپنے عہد میں وحید العصر مانے جاتے۔ فن طبابت میں وہ درجہ کمال حاصل تھا کہ اُن کے ساتھ کسی ہمعصر کا مقابلہ کرنا کیسا ان کے سامنے طب کا نام لینا اور طبابت کا دعویٰ کرنا مشکل تھا۔ غرض کہ غدر سے پہلے وہ اس مرتبہ کے شخص تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ سرسید احمد خاں دہلوی بانی کالج علی گڑھ نے جو کتاب آثار الصنادید کے آخری حصہ میں دہلی کے اہل کمال کا تذکرہ

(بقیہ بر صفحہ ۱۲)

کی تکمیل فرمائی اور جب دہلی، لکھنؤ دونوں مقامات کے مستند شاہی طبیبوں سے تحصیل کمال کر چکے تو وطن مالوف میں واپس آئے اور سواد وطن میں اپنا بوریا بچھا دیا۔ ذراقت سے نظیر تھے

(بقیہ صفحہ ۱۱) لکھا اور وہ پہلی بار دہلی میں طبع ہوا اس میں تحریر ہے کہ انقلاب روزگار سے اگر حکمت الٰہیہ فلسفہ کا نام و نشان بھی صفحۂ دنیا سے مٹ جائے تو حکیم امام الدین خاں کے حافظہ کی مدد سے از سر نو دوبارہ منطق پیدا ہو سکتی ہے۔ مولوی بشیر الدین احمد صاحب دہلوی کی مرتبہ تاریخ واقعات دار الحکومت دہلی کے صفحہ ۴۰۲ جلد دوم میں بسلسلہ تذکرہ اہل کمال دہلی لکھا ہے حکیم امام الدین خاں ... ان کے بزرگوں کو سرکار شاہی سے مناصب جلیلہ اور مراتب بلند عطا ہوتے رہے اور یہ خود بھی حضرت جہاں بانی کی طرف سے عہدۂ طبابت پر مامور تھے۔

حکیم صاحب محدث معقولات میں مولانا فضل امام صاحب اور بعد ازاں ان کے صاحبزادے ... کے شاگرد اور طب میں اپنے چچا حکیم ذکاء اللہ خاں صاحب مصنف قرابادین ذکائی کے شاگرد تھے۔ ان کے علم نامدار اور عالی نسب عہد میں اقلیم طبابت کی فرمانروائی کرتے رہے اور وہ حکیم شریف خاں ... کے معاصر تھے آپ کے دادا حکیم اسحٰق خاں صاحب نے غایۃ الفہم جو حاشیہ قانون شیخ الرئیس کی شرح ہے بڑی قابلیت سے تصنیف فرمائی تھی حکیم صاحب موصوف کے پردادا حکیم ... اللہ خاں صاحب ... کے مصنف ہیں جن کا زمانہ محمد شاہ، احمد شاہ سلاطین دہلی کی بادشاہت کا تھا ان کی شہرت اظہر من الشمس ہے حاجت بیان نہیں یہ تقدیری امر ہے کہ سراج الدین ابوظفر شاہ بادشاہ دہلی کے علاج میں حکیم احسن اللہ خاں کو آپ کے ساتھ معالجہ و مقابلہ میں کامیابی ہوئی اور کلک قدرت نے غسل صحت انہیں کے ہاتھ پر لکھا تھا

اس میں شک نہیں کہ حکیم امام الدین خاں صاحب کا تبحر علمی حالیجات سے بہت بڑا ہوا تھا فن طب کے تمام جزئیات و کلیات نوک زبان تھے۔

آخر عہد میں حکیم صاحب مہاراجہ ... کی قدردانی سے ریاست ... تشریف لے گئے اور مہاراجہ ... کی ملازمت اختیار کر لی ... حکیم ... الدولہ ... آپ

...صفحہ ۱۴

کو نفع پہنچانے لگے۔ مگر نفع رسانی کا دائرہ شاہ آباد ہی تک محدود نہ تھا بلکہ اکثر علاج کی ضرورت سے لکھنؤ میں بھی جا کر قیام فرماتے۔ اسی زمانہ میں والدین نے آپ کی شادی کی کتخدائی کا انتظام کیا اور شاہ آباد کے ایک صاحب علم و فضل بزرگ سید حبیب اللہ صاحب تارک سے شاگرد میر وزیر علی صبا کی دختر نیک اختر کے ساتھ ۱۵ رمضان المبارک ۱۲۷۳ھ یوم یک شنبہ کو عقد ہو گیا اور اس مبارک تقریب کی خوشی میں خود آپ کے والد بزرگوار نے یہ تاریخی قطعہ موزوں فرمایا ؎

بروز پنج شنبہ نصف رمضاں | شدہ عقد حکیم الحمد للہ
پئے تاریخ سالش گفت ہاتف | کہ امشب بست عقد مہر با ماہ

۱۲۷۳ھ

بعد عقد کے حکیم صاحب شاہ آباد سے لکھنؤ تشریف لے گئے محلہ سبحان نگر میں قیام پذیر ہوئے اور مطب جاری کیا وہاں کئی ایسے مریض آئے کہ جو سخت بیمار اور زندگی سے مایوس تھے حکیم صاحب نے ان کے علاج میں ایسی خوش اسلوبی سے ایسی حذاقت صرف کی کہ خدا نے

(بقیہ صفحہ ۱۲)

یعنی نامی گرامی ہوئے بعد ایام غدر کے علم و فضل میں ان کا بھی کوئی ثانی نہ تھا۔ حکیم صاحب کے دو فرزند ایک نفضل حسین خاں اور دوسرے غلام حیدر خاں باقی رہے تھے اور یہ ہر دو نواب صاحب والی ٹونک کے ملازم رہے اب ان کی ذریات میں احتشام الدین صاحب اور غیاث الدین صاحب موجود ہیں جن کا پیشہ ابھی طبابت ہی ہے حکیم صاحب کی تصنیفات میں بعض رسائل قابل دید ہیں۔ ۱۲۸۱ھ میں حکیم امام الدین خاں صاحب نے انتقال فرمایا

راقم کو آپ کے قابل قدر حالات مکرمی شمس العلما، مولوی عبدالحق صاحب مفسر تفسیر حقانی نے اپنے قلم سے لکھ کر عنایت کیے اور کچھ مخبری نواب احمد سعید خاں صاحب طالب رئیس دہلی نے تلاش کر کے مرحمت فرمائے ۱۲

انھیں صحت تامہ عطا کی شہر میں ایک دھوم سی مچ گئی اور دیگر مشہور اطبا کو خبر ہوئی تو انھوں نے
کلماتِ تحسین و آفرین کہے اور ان کی لیاقت و حذاقت کے قائل ہوئے اور اس کے بعد تشخیص
اور علاج میں حکیم صاحب کا شہرہ روز افزوں ہوتا گیا اور چند ہی روز میں صاحبِ کمال اطبا
میں شمار کیے جانے لگے اور آپ کی حذاقت کی خبر بڑے بڑے والیانِ ملک کے درباروں تک
پہنچ گئی۔

ملازمت

ہم حکیم صاحب کے استاد ملا نواب صاحب کا ذکرِ خیر کر چکے ہیں کہ ایک عالمِ باعمل اور نامور طبیب تھے
وہ ریاست بھوپال میں ملازم اور والیۂ ملک کے معالج تھے انھوں نے حکیم صاحب کے علاج و تشخیص
کی تعریف نواب سکندر بیگم صاحبہ اور نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے سامنے کی اور انھیں حکیم صاحب
کی حذاقت و کمال کا مشتاق بنایا بعد ازاں ملا نواب صاحب ممدوح نے ہندوستان سے
ہجرت کرنے اور مکہ معظمہ کی سکونت اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بیگم صاحبہ کی خدمت
میں اپنی جگہ پر حکیم صاحب کے تقرر کی تجویز پیش کی بیگم صاحبہ پہلے ہی سے مشتاق ہو رہی تھیں
اس تحریک کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک باضابطہ تحریر ریاست مع سو روپیہ سفر خرچ کے حکیم صاحب
کے پاس شاہ آباد میں آئی اور خود ملا نواب صاحب نے بھی بطور خود تاکید فرمائی۔ چنانچہ حکیم صاحب
بھوپال تشریف لے گئے آپ کے پہنچتے ہی ملا صاحب نے ہجرت کر کے ارضِ مقدس عرب کی
راہ لی اور حکیم صاحب بمشاہرہ سو روپیہ ماہوار استاد کی مسندِ حذاقت پر بیٹھے۔ یہ زمانہ
۱۲۷۷ھ مطابق سنہ ۱۸۶۰ء کا تھا۔ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے علاج میں روز بروز اپنی
قابلیت کا زیادہ شہرت دیتے گئے [illegible]

ہوتا گیا۔ بیگم صاحبہ نے ملّا صاحب کی تحریک پر حکیم صاحب کی طلب میں جو خط بھیجا تھا وہ اب تک محفوظ ہے۔ جس کی نقل ناظرین کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

نقل خط نواب شاہجہان بیگم صاحبہ بطلب حکیم صاحب

شرافت و حکمت پناہ، فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی حکیم محمد نواب صاحب بعافیت باشند

بعد سلام مسنون الاسلام آنکہ یکتا ہنڈوی مبلغ یک صد روپیہ کلدار نزد آں صاحب رسانیدہ میشود مناسب کہ ہنڈوی مذکور بذریعہ خط خود نزد حکیم سید فرزند علی باشندۂ شاہ آباد کہ آں صاحب برائے ملازمی ما تجویز کردہ اند رسانیدہ معزالیہ را بزودی تمام در اینجا طلب دارید

صح مورخہ سوم صفر ۱۲۷۷ ہجری

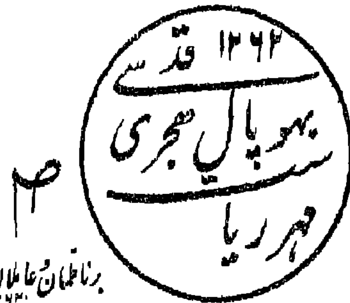
۱۲۶۵ھ نواب شاہجہان بیگم

یہاں حکیم صاحب کو بیگم صاحبہ کے مزاج میں اس قدر درخور حاصل تھا کہ مقررہ مشاہرہ کے علاوہ ریاست سے جاگیر بھی عطا ہوئی جس کی سالانہ آمدنی تین ہزار (۳۰۰۰) روپیہ تھی مگر انتظامی دشواریوں اور تحصیل وصول کی دقتوں سے بچنے کے لئے ایک ٹھیکہ دار کو دیدی تھی اور اس میں سے کچھ رقم اُس کے لئے بطور حق المحنت چھوڑ دی تھی۔

اس کے علاوہ غسل صحت و تقریبات کے موقعوں پر فیاض فرماں روا کی طرف سے حکیم صاحب کو اکثر زرِ نقد اور خلعت بھی عطا ہوا کرتے جس میں بیش قیمت کپڑے ہوتے تھے

جاگیر کے متعلق جو پروانہ عنایت ہوا اس کی نقل درج ذیل ہے۔

نقل پروانہ جاگیر



برناظمان عاملان حال و استقبال پرگنہ ادویوہ متعلقہ بھوپال اعلام آنکہ
موضع پتیاران اصلی پرگنہ ادویوہ بجمع مبلغ شش صد بست روپیہ شش آنہ کامل وحال بموجب
بند وبست پیمائش ثانی من ابتدائے سنہ یک ہزار و دو صد و ہفتاد و ہشت باسم حکیم
فرزند علی ولد نظام علی ملازم ڈیوڑھی خاص مرحمت نمودہ شد باید کہ موضع مرقوم را بقبضہ
شان واگزارند و طریقہ معزالیہ آنکہ رعایا و بیہ را بحسن سلوک خود راضی و شاکر داشتہ وجہ
محاصل آنرا بصرف خود در آوردہ دائما بخیرخواہی و اطاعت و فرمان برداری سرکار ساعی و
سرگرم باشد وحسب شرائط مندرجہ اقرارنامہ سعی موفور بکار بردہ دقیقہ از دقائق مراتب
تابعداری وجانفشانی فروگزاشت نکند و کاش وجہے من الوجوہ قصورے در ادائے شرائط
مشروطہ اقرارنامہ راہ خواہد یافت جاگیرش منحصر بر حکم سرکار خواہد بود سماعت جمع کامل
یک موضع اصلی سنہ ہذا بموجب نقل حکم سرکار موزخہ بست و ہشتم
ماہ محرم سنہ ۱۲۷۸ ہجری بر عرضی دیوان نول رائے مہتمم دفتر حضور دفتر حضور
مرتب شد۔

قلم اوّل آنکه مدام در اطاعت و بجا آوری
حکم سرکار بدل و جان حاضر و سرگرم باشد
و عذر کدامی نوع پیش نه آرد فقط

قلم دوم آنکه در تهنیت تولد و جلوس
جشن شادی و غمی رئیس وقت طلب
شریک شود

قلم سوم آنکه حکم سرکار برای
انصرام بسرکارے که شرف نفاذ
بانصرامش کوشد

قلم چهارم آنکه اگر کسے از برادران و جاگیرداران
ریاست وغیره بغاوت کند شریکش نشود و مجرم
سرکار را امکان و جاگیر خود تاب اقامت ندهد
و مددش از زر سد رسانی وغیره نسازد بلکه
خبر داشته فوراً اطلاع آں بسرکار رساند

تحریر فی التاریخ هفتدهم جمادی الاول سنه ۱۲۷۸ فصلی

نقل حکم نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بر عرضی دیوان نول رائے مہتمم دفتر حضور

(مورخہ بست و ہشتم محرم سنہ ۱۲۸۷ ہجری)

یہ عرضی مع سہ قطعہ نزدیک مدار المہام خان بہادر کے بھیجی جائے کہ حسب سررشتہ مثل جاگیر موضع بتیان پرگنہ ادیپورہ کی بنام حکیم فرزند علی کے مرتب کرکے ہمراہ نقل حکم کے نزدیک دیوان نول رائے مہتمم دفتر حضور کے بھیجی جائے کہ حسب سررشتہ بعد لینے اقرارنامہ کے سند موضع مذکور کی بنام حکیم فرزند علی کے شروع ۱۲۸۸ فصلی سے مرتب کر کے گزرانے اور نقل دوسری اس حکم کی نزدیک حکیم فرزند علی کے بھی بھیجی جاوے کہ جو موضع گشت ہو وہ

سیلم پورہ محال شمس گڈھ قریب بھوپال کے واقع ہیں اس لئے تمھاری جاگیر میں مقرر نہیں کئے جائیں گے فقط۔ مورخہ بست و ہشتم محرم ۱۲۸۷ھ

نقل بموجب اصل

نواب شاہجہان بیگم ۱۲۶۵ھ

العبد
میر دبیر محمد عبدالعلیخان میر منشی ریاست

دوسرے موضع کی سند کا پتا نہیں مگر اس کے متعلق ریاست کی جانب سے ایک مُہری اطلاع نامہ صادر ہوا جس کی نقل بجنسہ حاشیہ پر درج کر دی گئی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکیم صاحب موضع آنولی کھیڑہ پرگنہ شمس گڈھ کے بھی جاگیردار ہیں یہ اطلاع نامہ حکیم صاحب کے نام پر اُس وقت جاری ہوا تھا جب کہ ایک شخص کی چوری ہو گئی تھی اور دیگر جاگیرداران کے نام اشتہار اجرا ہوئے تھے۔

نقل اشتہار

بنام حکیم فرزند علی جاگیردار آنولی کھیڑہ پرگنہ شمس گڈھ

مہر ریاست بھوپال ۱۲۶۵

۴

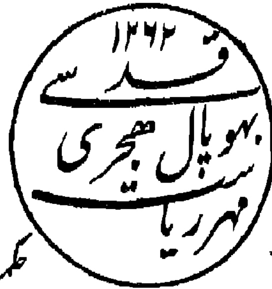
اشتہار آنکہ

ملاحظہ اشتہار چٹھی بھوپال مورخہ ہفتم دسمبر ۱۸۷۶ء موسومہ وکیل بھوپال روبکار پولس ہوشنگ آباد مورخہ یکم دسمبر ۱۸۷۶ء سے واضح ہوگا کہ تاریخ ۲۹ ماہ نومبر سنہ حال کو موضع سوڈل پرگنہ ریت گاؤں علاقہ ہوشنگ آباد میں بتھانہ ہرچند تیلی کے چوری ہوئی اور مال قیمتی الصہ کا چوری ہو گیا اس واسطے یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے کہ اپنے اپنے علاقہ میں مال و مجرم کو تلاش کریں و بصورت گرفتاری سرکار میں بھیجیں اور تفصیل مال کی یہ ہے: نقد سما کلدار۔ زیور طلائی ۱۰ باقی دیگر اشیاء مسروقہ جن کی قیمت بقیہ تخمینہ کو پورا کرتی ہے درج اشتہار ہیں۔

ماہ محرم ۱۲۸۸ھ ہجری میں ریاست بھوپال نے انتظام کیا کہ ہر محال میں ایک طبیب اور
ان سب کی نگرانی پر ایک افسر الاطبا مقرر کیا جائے۔ تو چند روز کے بعد اس معزز خدمت کے لئے
حکیم صاحب ہی منتخب کئے گئے۔ اس وقت تک سرکار عالیہ کی ڈیوڑھی خاص کے طبیب
تھے اب ریاست کے تمام اطبا کی افسری عنایت ہوئی اور اس کا باضابطہ پروانہ عطا ہوا جس کی
نقل ذیل میں درج ہے

نقل پروانہ افسر الاطبائی

هو الغنی جل شانہٗ



حکمت و فضیلت مآب شرافت و حذاقت انتساب حکیم سید فرزند علی افسر الاطبا

تاریخ بست و نہم ماہ جمادی الثانی ۱۲۹۱ھ ہجری سے بدید جوہر حکمت و قابلیت کے تم کو اوپر
عہدۂ افسر الاطبائی ریاست بھوپال کے سرفراز کر کے لکھا جاتا ہے کہ حسب سررشتہ حاضری دفتر وغیرہ
کل لوازمہ محکمۂ مذکور کی حکیم محمد احسن نائب افسر الاطبا سے لے کر رسید دو اور جملہ کار متعلقہ عہدہ
اپنے کو بدلجمعی و خیر خواہی تمام انجام دیتے رہو۔ فقط

مورخہ بست و ہشتم ماہ رجب ۱۲۹۱ھ ہجری قدسی ملاحظہ شد

مگر ہمیں اس کی اطلاع نہیں کہ عہدہ کی ترقی کے ساتھ تنخواہ میں کس قدر اضافہ ہوا اور یہ افسوس کہ ان کی زندگی میں ہم کو ان سے اس امر کے دریافت کرنے کا خیال نہیں ہوا۔

بھوپال کے امراء و اعیان ریاست بھی حکیم صاحب کی بے حد قدر کرتے تھے اور اکثر سرکار میں ان کی درخواستیں پیش ہوتیں کہ حکیم صاحب کے علاج سے فائدہ اٹھانے کی باضابطہ اجازت مرحمت ہو۔ اس امر کی تصدیق کے لئے حاتم محمد خاں صاحب کا ایک خط جو نواب قدسیہ بیگم کے بھائی اور اٹھارہ ہزار روپیہ کے جاگیردار اعیان ریاست میں معزز تھے حاشیہ پر درج ہے۔[۱]

جس زمانہ میں حکیم صاحب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی کے طبیب مقرر ہوئے ان دنوں محتشم الیہا کی والدہ ماجدہ نواب سکندر بیگم صاحبہ اور نانی قدسیہ بیگم بھی زندہ تھیں وہ دونوں بھی حکیم صاحب کی پاک طینتی و نیک نفسی سے نہایت خوش تھیں اور ان کی وضعداری و راستبازی پر پورا بھروسا تھا اور اسی طفیل میں حکیم صاحب کے ذریعے سے بہت لوگ ریاست بھوپال میں ملازم ہوئے اور بعض اشخاص کہ جو کسی اتفاق سے معطل اور ملازمت سے محروم ہو گئے تھے ان کو بھی آپ کی سعی و سفارش سے سند معافی عطا ہوئی وہ اپنے مقصد میں کامیاب اور اپنی خدمت پر بحال ہوئے۔ باہر کے لوگ اکثر تلاش روزگار ریاست میں آتے اور ان کا

۱۔ درۃ التاج مرتبت بختیاری و سروری و کامگاری لخت جگری نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ ریاست بھوپال دام اقبالہا بعد دعوات مزید حیات و ترقی درجات کے مطالعہ خاطر عزیز ہو عزیزہ من ایک ڈاکٹر مقام [illegible] آیا ہوا تھا اور [illegible] نے معالجہ کرایا [illegible] کے علاج سے کچھ صحت نہیں ہوئی طبیعت پر گرانی زیادہ معلوم ہوتی ہے اس واسطے تصدیعہ دیتا ہوں کہ حکیم سید فرزند علی صاحب کو حکم ہو جاوے کہ وہ آکر میرا علاج کریں اور ہمیشہ میری ڈیوڑھی پر آیا کریں [illegible] المرقوم پانزدہم ربیع الاول [illegible] راقم الدعا حاتم محمد خاں

[illegible] حکیم سید فرزند علی [illegible]

[illegible] صاحب کو [illegible] ربیع الاول [illegible]

کوئی مدد معاون نہ ہوتا حکیم صاحب اپنی کریم النفسی سے انھیں اپنے پاس ٹھہراتے اپنے دسترخوان
پر کھلاتے اور حسب [illegible] دیگر [illegible] دیتے۔ حکیم صاحب کا گھر غریب الوطن کا مامن اور ہر بیکس
کے لئے جائے پناہ تھا۔

کوئی ہو وہ کوشش پر تیار ہو جاتے اور سچ یہ ہے کہ ہمدردی و نفع رسانی ان کی فطرت
میں داخل تھی اور ہمیں یقین ہے کہ ایسے نیک کاموں کی ایک طولانی فہرست آپ کے نامۂ اعمال
میں ثبت ہوگی اور امید ہے کہ اس کے صلہ میں درگاہ الٰہی سے اجر عظیم پائیں گے۔

حسن اتفاق سے آپ کو شہرت و کامیابی کے اسباب و وسائل بھی حاصل ہو گئے تھے۔
کیونکہ سرکار خلد مکان نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا تقرب اور مدار المہام جمال الدین خاں صاحب سے
گہرے تعلقات کا پیدا ہو جانا، ان امور کے لئے کافی تھا۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد جب حکیم صاحب بھوپال تشریف لے گئے
تو یہ راقم خاکسار بھی بغرض تحصیل علم ان کے ہمراہ گیا تھا۔ ہر طبقہ کے بیسیوں اشخاص روز
حکیم صاحب سے ملنے کو آتے اور ان کے احسانات بیان کرتے۔ بہت سے حضرات نے اقرار
کیا کہ وہ حکیم صاحب ہی کے نوکر رکھائے ہوئے تھے چنانچہ ایسے چند حضرات کے نام ذیل
میں درج کیے جاتے ہیں۔

ان میں مولوی عبد الحق صاحب، نواب وارث علی خاں صاحب، مولوی اعظم حسین صاحب
خیرآبادی، یعقوب خاں صاحب داروغہ باغ نشاط افزا، سید حامد حسین صاحب مدار وغیرہ
جو دیگر مقامات کے لوگ تھے اور محمد خاں صاحب سوار باڈی گارڈ، حکیم امیر علی صاحب
میر بابر علی صاحب، شیخ حفیظ اللہ صاحب، میر سرفراز علی صاحب، احمد یار خاں صاحب
حاجی مصطفےٰ خاں صاحب، میر سعید الدین صاحب، محمد خاں وغیرہ یہ اشخاص حکیم صاحب

ہم وطن اور خاص شاہ آباد کے رہنے والے تھے۔ حکیم صاحب کے چلے آنے کے بعد بعض لوگ بدستور ریاست میں ملازم رہے اور بعض ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن چلے آئے۔

ایک بار نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے حکیم صاحب سے کسی ایسی نیک بی بی کی خواہش کی جو ان کی معتمد علیہ قرار پاسکے اور خوش اخلاق اور شریف گھرانے کی ہو۔ حکیم صاحب نے خاندان کی ایک شریف بی بی کو لے جاکر نوکر رکھوا دیا اور بیگم صاحبہ نے ان کو خدمت میں رکھا اور ذمہ داری کے کام ان کے سپرد کئے۔ چند ہی روز میں ان بیوی سے ایسی اچھی سلیقہ شعاری اور کارگزاری ظاہر ہوئی کہ ان پر زیادہ بھروسا کرنے لگیں اور چند لوگ خاص ان کی سفارش سے ملازم بھی ہوئے اس کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کی رسائی بیگم صاحبہ کی خدمت میں حکیم صاحب کے ذریعے سے ہوئی۔ اصغر علی تاجر عطر کے بھائی میر وزیر علی کو حکیم صاحب ہی کے ذریعے سے سرکار عالیہ میں باریابی کا موقع ملا اور ہزاروں روپیہ کا عطر فروخت ہوتا رہا۔

بھوپال میں اس سے پیشتر کوئی حمام نہ تھا حکیم صاحب محمد علی حمامی کو لکھنؤ سے لے گئے جس نے وہاں پہنچتے ہی ریاست کے پرانے بے کار حمام کو درست کر کے گرم کیا اور پہلے پہل جب اس میں حضور عالیہ نے حمام کیا تو اپنا ملبوس خاص اور بہت کچھ انعام مرحمت فرمایا۔ پھر جب حکیم صاحب بھوپال سے ریاست نرسنگ گڈھ تشریف لے گئے تو حمامی مذکور وہاں بھی جا پہنچا اسے حکیم صاحب کی خدمت میں بہت خصوصیت حاصل تھی۔ چنانچہ مرحوم کے کاغذات میں چند اس کے خطوط بھی موجود ہیں۔

ایک روز حکیم صاحب صدر المہامی کے بالاخانہ پر بیٹھے ہوئے تھے یہ خاکسار بھی حاضر تھا کہ عبد الحسین جو وہاں کے دولت مندوں میں تھا اور بیگم صاحبہ خاندمکان کی ڈیوڑھی خاص کا مہتمم تھا آیا۔ آتے ہی حکیم صاحب کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ آپ نے اس غلام کی پرورش

کی تھی اور اب بھی آپ ہی کوشش فرمائیں گے تو میری جانبری اور گلوخلاصی ہوگی حکیم صاحب نے اس کی تسلی و تشفی کی اور آمادہ ہوگئے کہ سرکار عالیہ میں سفارش کر کے اُسے بری کرا دیں مگر جب یہ معلوم ہوا کہ اس نے لاکھوں روپیہ کا غبن کیا ہے اور عدالت میں اُس پر بارہ لاکھ روپیہ کے تغلب کا دعویٰ دایر ہو چکا ہے تو سکوت اختیار فرمایا اور مناسب نہ جانا کہ ایسے بد دیانت کی سفارش میں کچھ فرمائیں۔

گورنمنٹ انگریزی کے حکام کی نظر میں بھی حکیم صاحب کی بڑی وقعت تھی اضلاع اودھ میں کئی کمشنر آپ کے بھائی میر اولاد علی صاحب پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی ٹرسٹی کالج ڈبلن کے شاگرد تھے انھیں جب اپنے اُستاد کے ساتھ حکیم صاحب کی قرابت معلوم ہوئی تو بے حد تعظیم کرنے لگے۔ چنانچہ مسٹر ڈیلم کنکیڈ پولٹیکل ایجنٹ سنٹرل انڈیا اسی سلسلہ میں داخل ہیں اور مسٹر ولیم دیسی اسٹورن وغیرہ پولٹیکل ایجنٹ سیہور نے تعلقات ریاست کی بنا پر جو چٹھیاں حکیم صاحب کو عنایت کیں ان میں سے دو کی نقل نذر ناظرین کی جاتی ہے

ترجمہ چٹھی اول

حامل تحریر ہذا حکیم سید فرزند علی ہر ہائنس بیگم بھوپال کے ملازم ہیں وہاں کرسی پاتے ہیں اور ایک معزز شریف ہیں جن کی بیگم صاحبہ بھوپال ہمیشہ عزت کرتی ہیں

۱۸ ستمبر ۱۸۷۰ء



مہر

ترجمہ چٹھی دوم سارٹیفکیٹ راہداری نمبر ۱۸۲

چونکہ حکیم فرزند علی پرنسپل میڈیکل افیسر ملازم ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال متوطن شاہ آباد ضلع ہردوئی سفر کرنا چاہتے ہیں لہذا میں اُن تمام انگریزی افسروں سے جن کے علاقہ حکومت کے اندر حکیم صاحب کا گزر ہو خواہش کرتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو ضروری امداد سے بشرط ضرورت دریغ نہ فرمائیں۔ بھوپال ایجنسی سیہور ۲۴ر مئی ۱۸۷۵ء قائم مقام پولیٹیکل ایجنٹ



نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی ہمراہی میں سفر

حکیم صاحب کی عمر کا بڑا حصہ ریاست بھوپال کی ملازمت میں صرف ہوا اسی سبب سے ان کے کارنامے ریاست کے واقعات سے وابستہ ہیں چنانچہ اس قسم کے چند واقعات جن میں حکیم صاحب کی موجودگی تھی ضروری سمجھکر عرض کئے جاتے ہیں۔ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا معمول تھا کہ جب کہیں کا سفر کرتیں تو اپنے مزاج شناس طبیب کی حیثیت سے حکیم صاحب کو ضرور ہمراہ لے جاتیں ان سفروں میں حکیم صاحب ہر جگہ کے مذاق و عادات و مختلف رنگ ڈھنگ سے بہت اچھی طرح آگاہ ہوگئے اور ہر مقام کے لوگوں سے ملنے جلنے کے باعث حکیم صاحب کا ذاتی تجربہ بہت وسیع ہوگیا تھا اور پھر ایک رئیسہ عالی تبار کی رفاقت میں شاہی درباروں کے آداب سے اس قدر واقف ہوگئے تھے کہ ان امور میں کوئی شخص ان کی معلومات کا نظیر نہیں آتا۔

دربار آگرہ

سنہ ۱۸۶۳ء میں حسب الحکم ملکہ وکٹوریہ قیصر ہند اکبر آباد میں ایک دربار منعقد ہوا اور بغرض شرکت نواب سکندر بیگم صاحبہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بھی تشریف لے گئیں۔ بیگم صاحب ہمراہ تھے دربار میں وائسرائے گورنر جنرل بہادر لارڈ لارنس نے اردو زبان میں تقریر کی جس کے سلسلہ میں نواب سکندر بیگم صاحبہ کی خوش تدبیری اور ان کے عہد کی ملکی ترقیوں کی تعریف فرمائی۔ خود حکیم صاحب بھی اکثر فرمایا کرتے کہ سکندر بیگم صاحبہ بڑی عقل مند رئیسہ تھیں عورتوں میں ایسی عاقلہ اور مدبرہ و منتظمہ بہت کم دیکھی گئی ہیں۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ آگرہ میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ تاج محل کے دیکھنے کو تشریف لے گئیں اور مینار پر چڑھیں تو ان کی والدہ نواب سکندر بیگم صاحبہ اس اندیشہ سے کہ کسی قسم کا گزند پہنچ جائے بہت ناراض ہوئیں۔

سنہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں نواب سکندر بیگم صاحبہ نے کمال عاقبت اندیشی سے سرکار انگریزی کی خیر خواہی کی تھی جس کا شکریہ وائسرائے لارڈ کیننگ بہادر کی زبان سے دربار جبلپور میں[1]

---

[1] لارڈ کیننگ نے دربار جبل پور میں جو تقریر کی وہ یہ تھی۔ نواب سکندر بیگم صاحبہ اس دربار میں آپ کی رونق افروزی مایۂ انبساط ہے ایک مدت مدید سے مجھے اشتیاق تھا کہ حضور ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ کی جو خدمتیں آپ نے انجام دی ہیں ان کا پورا شکریہ آپ کے حضور میں ادا کروں۔ آپ اس ریاست کی فرمانروا ہیں جس نے ہندوستان کی تاریخ میں بمقابلہ سرکار انگلشیہ کبھی تلوار نہیں اٹھائی اپنے باوجود عورت ہونے کے ہمارے دشمنوں کا مقابلہ نہایت شجاعت و قابلیت سے کیا اور ریاست کے کاروبار کو ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ ریاست کے ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو اس پر ناز ہے ماسوا اس کے قرب و جوار میں ہمارے بہت سے دشمنوں کا استیصال ہوا اور آنریبل کرنل ڈیورنڈ بہادر ایجنٹ گورنر جنرل کے مثل بہت سے انگریزوں کی جانیں بچائیں اپنے انگریزی فوج کو جب کہ قلمرو ریاست سے ہو کر گزری پوری مدد پہنچائی اور رسد رسانی

(بقیہ بر صفحہ ۲۶)

میں ادا ہوا اس کے شکریہ میں نواب سکندر بیگم صاحبہ نے بھی دربار عام میں تقریر کی تھی اور یہ ہندوستان میں دیسی اور انگریزوں کے لئے ایک ہندوستانی خاتون کی زبان سے تقریر سننے کا پہلا موقع تھا۔

(بقیہ صفحہ ۲۵) کا نہایت اعلیٰ انتظام فرمایا۔ لہٰذا اس کا صلہ ضروری سمجھ کر علاقہ بیرسیہ جو پہلے ریاست دھار کے زیر حکومت تھا مگر چونکہ وہاں کے رئیس نے بغاوت کی اس کے قبضہ سے نکال کر ہمیشہ کے لئے آپ کی ریاست میں شامل کیا جاتا ہے تاکہ آپ کی ثابت قدمی کی یادگار رہے) نواب سکندر بیگم صاحبہ کی بیدار مغزی شجاعت اور خوش تدبیری ضرب المثل ہے ریاست بھوپال کے تمام انتظامات کو باقاعدہ اصول پر چلایا۔ دیوانی مال کے علیحدہ علیحدہ قانون مرتب کئے بندوبست کا محکمہ قائم کیا پولس کا انتظام جدید طور پر عمل میں آیا۔ غرض کہ سڑکیں بنوانا، روشنی کا انتظام کرنا یہ سب برکتیں اُن کی قابلیت کی یادگار ہیں۔ ذاتی انتظامی قابلیت کے علاوہ غیبی دیگر ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے ان کے عہد کو ایک بابرکت زمانہ ثابت کر دیا جن میں سے ایک یہ تھا کہ ان کے با اختیار شوہر نظیر الدولہ شمشیر جنگ نواب جہانگیر محمد خاں بہادر کا ۲۶ برس کی عمر میں ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۱۲۶۰ ہجری کو انتقال ہو گیا اس کے دو ڈیڑھ برس بعد فوجدار محمد خاں نے عہدہ وزارت سے استعفا دیدیا اور ساتھ ہی خود سکندر بیگم صاحبہ وزیر سلطنت قرار پائیں اور شاہجہاں بیگم صاحبہ نے بھی اپنی طرف سے اختیار نظم و نسق ماں ہی کے ہاتھ میں دیدیئے جس کے بعد گورنمنٹ انگریزی سے بھی اختیارات حکمرانی کا خلعت نواب سکندر بیگم صاحبہ کو حاصل ہو گیا۔ نواب سکندر بیگم صاحبہ ۲۳ سال حکومت کر کے ۵۰ برس کی عمر میں ۳۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ھ مطابق سنہ ۱۸۶۸ء کو راہی ملک بقا ہوئیں۔ باغ فرحت افزا میں دفن کی گئیں اور خلد نشین لقب پایا۔ اس سانحۂ جانگزا کے موقعے پر خاص ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند کے پاس سے اک درد انگیز تعزیت نامہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی خدمت میں آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجکو آج ہندوستان کی ایک شہزادی کے انتقال کی خبر سن کر نہایت ملال و افسوس ہے جو ذاتی لیاقت میں اپنا مثل نہیں رکھتی تھی) جس طرح نواب سکندر بیگم کی خوش انتظامی و تدبیر کی شہرت ہے۔ اسی طرح ان کی والدہ نواب قدسیہ بیگم کی سخاوت و نیکیاں آج تک زبان زد خلق ہیں۔ قدسیہ بیگم کا اصلی نام گوہر بیگم ہے انھیں خوف خدا بہت تھا عبادت زیادہ کرتی تھیں ملازمان ریاست کو جیسا آرام و جیسی آزادی ان کے عہد میں حاصل رہی کبھی نہیں نصیب ہوئی۔ انھوں نے ارض حجاز میں اپنی ایک رباط تعمیر کرائی جس میں ہمیشہ لنگر جاری رہتا۔ حجاج کو بہت کچھ دیتی تھیں۔ بھوپال میں پانی کے نل انھیں کے جاری کئے ہیں۔ ۱۸ سال تک ریاست کی مختاری و حکومت انھیں کے ہاتھ میں رہی اور آخر کار ۲۴ محرم سنہ ۱۲۹۹ھ کو ۸۳ برس کی عمر میں رحلت فرمائی اخبار نور الانوار کانپور میں سے داخل جنت بہ رحمت ہوئیں گوہر بیگم۔ وفات کا مادۂ تاریخ چھپا تھا۔

مختلف شہروں کی سیاحت

نواب سکندر بیگم صاحبہ اور نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کو ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیر کا شوق ہوا تو وسیرائے ہند سے باضابطہ مراسلت کی اور جن جن شہروں میں جانا تھا وہاں کے حکام کے نام احکام صادر ہوگئے کہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال بطور سیر تشریف لاتی ہیں حسب مرتبہ ان کی تعظیم و تکریم کی جائے۔

یہ سنہ ۱۸۶۱ء کا زمانہ تھا جب کہ یکم نومبر کو الہ آباد میں عطائے خطابات کا ایک دربار منعقد ہونے والا تھا۔ بیگم صاحبہ اس میں شریک ہونے کی غرض سے دو ڈھائی ہزار حشم خدم کے ساتھ جس میں سربرآوردہ و ممتاز حکیم فرزند علی صاحب نظر آتے تھے۔ وارد الہ آباد ہوئیں دربار میں شریک ہونے کے بعد بنارس تشریف لے گئیں۔ جہاں مہاراجہ بنارس سے ملاقات ہوئی اور قابل دید عمارتیں دیکھیں بعد ازاں سواد جونپور میں داخل ہوئیں وہاں کی پُر عظمت مسجدوں کی زیارت اور خانخاناں کے پل اور سلاطین شرقیہ کے قلعہ کو دیکھ کر فیض آباد اودھ میں پہنچیں۔ مولوی امیر علی صاحب شہید کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور وہاں سے روانہ ہوکر لکھنؤ میں داخل ہوئیں حکام انگریزی نے استقبال کیا اور سلامی کی توپیں سر ہوئیں یہاں چند روز بادشاہ باغ میں قیام رہا اور جب تمام شاہی عمارتوں اور مشہور مقامات کی سیر کر چکیں تو کانپور کی راہ لی۔ یہاں بھی حکام انگریزی نے پیشوائی کی۔ یہاں مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب مالک مطبع نظامی نے بوجہ اس کے کہ حکیم صاحب کے سچے دوست تھے بیگم صاحبہ کی دعوت کی جس کے دوسرے دن بیگم صاحبہ نے دربار عام کیا اور حکام و عمایدِ شہر کو باریابی کا موقع دیا۔ پھر کانپور سے روانہ ہوکر اکبر آباد میں پہنچیں وہاں باغ نور افشاں

میں نزول اجلال ہوا، اور تمام مشہور روزگار عمارتیں تاج محل، قلعہ سکندرہ وغیرہ دیکھیں۔
پھر متھرا میں تشریف لے گئیں جہاں تمام شاندار مندروں کو ملاحظہ کرکے دہلی میں رونق افروز
ہوئیں۔ قلعہ دہلی اور دیگر شاہی عمارتوں کی سیر سے عبرت، و اولیاء اللہ کے مزاروں سے برکت حاصل کی
جامع مسجد دہلی غدر کے زمانہ سے اس وقت تک بغاوت کے الزام میں بند تھی اور کوئی مسلمان اس کے
اندر نہیں داخل ہوسکتا تھا۔ بیگم صاحبہ کی خاطر داشت کے خیال سے حکام انگریزی نے اُسے
کھلوا دیا اور بیگم صاحبہ نے اس کے ہر ہر حصے کی زیارت کی یہاں سے جے پور کا قصد ہوا اور
جس وقت یہ محترم قافلہ حدود جے پور میں داخل ہوا مہاراجہ صاحب نے رئیسانہ شان و شوکت
سے استقبال کیا ادھر سے ہر ہائنس بیگم صاحبہ مع پولیٹیکل ایجنٹ بھوپال کے ہاتھیوں پر سوار
ہوکر بڑھیں اُدھر سے مہاراجہ جے پور مع وہاں کے ایجنٹ صاحب کے ہاتھیوں پر استقبال کو آئے
بڑے شان و شکوہ سے شہر میں داخلہ ہوا تعظیم و توقیر کے جملہ مراتب بوجہ احسن ادا ہوئے مہاراجہ
صاحب نے بڑی پر تکلف دعوت کی ایک سو چھبیس قسم کا کھانا چنا گیا ناچ گانا ہوا ہاتھی
گھوڑے اور تحفہ جات کی کشتیاں پیش ہوئیں یہاں سے روانہ ہوکر اجمیر شریف میں قیام پزیر
ہوئیں ۲۴ رشعبان کو وہاں خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پُر انوار پر حاضری
ہوئی ۳۰ رشعبان کو کوچ کرکے ۱۲ ر رمضان کو چھاونی نیمچ میں ۲۰ رکو چھاونی آگرہ میں اور
۲۹ رکو چھاونی سیہور میں ہوتی ہوئی ۳ شوال کو بھوپال میں داخلہ ہوگیا یہ سترہ سو میل کا سفر
چھ سات ماہ میں تمام ہوا۔ ریکا آغاز جمادی الاول ۱۲۷۸ھ ہجری میں ہوا تھا
بیگم صاحب نے اثنائے راہ سے ایک خط[1] اپنے شوہر میر حبیب اللہ صاحب کی خدمت میں بھیجا
تھا۔ اس میں بعض منزلوں کا حال حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:

[1] یہ خط فارسی میں ہے … [illegible] … وہ تحریر کیا جائیگی۔

الحمد للہ میں مع الخیر جے پور کی راہ سے اجمیر شریف و نصیر آباد ہوتا ہوا ایک ماہ کے عرصہ میں ۱۲ ر رمضان المبارک کو بمقام نیمچ پہنچا۔ دو تین مقام اس جگہ بھی مقرر ہوتے ہیں ۱۵ ر تاریخ کو مندسور کی طرف سے بھوپال کو روانگی ہوگی اور یقین ہے کہ ۷ یا ۸ ر شوال کو ان شاء اللہ ہم سب بھوپال پہنچ جائیں گے۔ بفضلہ مزاج سرکار عالیہ کا بخیریت ہے چونکہ فاصلہ شاہ آباد کا بہ نسبت بھوپال کے اس جگہ سے زیادہ ہے لہذا بھوپال جاکر وطن جانے کی رخصت لی جائیگی اور ماہ ذی الحجہ یا محرم میں تقریب بسم اللہ جناب نواب[1] سلطان جہاں بیگم صاحبہ بڑی صاحبزادی کی ہونے والی ہے اور اس تقریب میں میری حاضری ضروری ہے۔ مکرمی محمد حسین خاں صاحب اخبار ی پورٹی مجھے اجمیر شریف میں نہیں ملے۔ چند ماہ قبل میرے پہونچنے کے وہ کسی طرف روانہ ہوگئے جو کچھ ان کا حال معلوم ہو تحریر فرمایئے۔ امجد خاں وہابیت ۳۰ ر شعبان کو نصیر آباد میں آکر مجھے ملے اور انھوں نے آپ کا خط اور اشیائے مرسلہ پہنچائیں۔

کلکتہ کا سفر ۔ ۳۰ ر دسمبر ۱۸۶۹ء کو ملکہ معظمہ کے فرزند شہزادہ ڈیوک آف اڈنبرا کی تشریف آوری پر کلکتہ میں دربار منعقد ہوا۔ حسب الطلب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ ۱۴ ر رمضان ۱۲۸۶ھ کو بھوپال سے روانہ ہوکر کلکتہ تشریف لے گئیں۔ حکیم صاحب بھی بیگم صاحبہ ممدوحہ کے ہمراہ گئے تھے یہ جلسہ شاندار ہوا تھا۔ شاہزادہ صاحب بہادر ہز ہائی نس بیگم صاحبہ کے قیام گاہ پر بطور بازدید تشریف لائے۔ دوران قیام میں بیگم صاحبہ نے قلعہ و عجائب خانہ و ٹکسال کی سیر کی اور سرکاری فوج کی قواعد دیکھی۔ حکیم صاحب بھی کلکتہ کی سیر میں اکثر موقعوں پر موجود رہے۔ اسی زمانہ میں بادشاہ بیگم ساکنہ شہر دہلی

---

[1] اس وقت میں صاحبزادی کی عمر چار برس کی تھی کیونکہ ۲۷ ر ذی قعدہ کو ۱۲۷۴ھ کو نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کی ولادت ہوئی تھی اور تقریب بسم اللہ پانچویں برس بڑی دھوم سے ہوئی اور ۱۷ ر محرم ۱۲۸۸ھ کو ختم قرآن شریف ختم ہوا اور جشن نشرہ منعقد ہوا۔ تمام ممالک محروسہ و شہر بھوپال کی رعایا و ملازمین کی دعوت ہوئی گرانبہا خلعت دیئے گئے۔ چالیس دن تک روشنی، آتشبازی، رقص و سرود کے جلسے رہے۔ تین لاکھ روپیہ اس تقریب کی خوشی میں صرف ہوا۔

نے جو باعتبار لیاقت و ہنر مندی کے عجیب و غریب عورت تھی حکیم صاحب کے توسط سے اپنی عرضی بیگم صاحبہ کے حضور میں گزراننا چاہی تھی جس کا تذکرہ آئندہ تحریر ہوا ہے۔ اس سفر میں قریب دو لاکھ روپیہ کے خرچ ہوئے تھے۔

کلکتہ کا دوسرا سفر۔ شاہ ایڈورڈ ہفتم اپنے ایام ولی عہدی میں جب کہ وہ پرنس آف ویلز کہلاتے تھے۔ ہندوستان کی سیر کو تشریف لائے اور کلکتہ میں دربار قرار پایا تو گورنمنٹ نے والیان ملک کو مدعو کیا کل روسائے ہند وہاں مجتمع ہوئے۔ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بھی تشریف لے گئیں حکیم صاحب حسب دستور ہمراہ رکاب تھے۔ اسی موقع پر حکیم صاحب اپنے قدیم دوست مولوی محمد شاہ صاحب سے ملے اور مولوی صاحب موصوف ہی کی ذریعے سے نواب صدیق حسن خاں صاحب کو واجد علی شاہ بادشاہ اودھ سے ملوایا۔ وہاں حکیم صاحب نے لکھنؤ کے نامور طبیب حکیم محمد مسیح صاحب سے بھی ملاقات کی اور بنگالہ اور اودھ کے دیگر مشاہیر سے ملتے جلتے رہے۔ کلکتہ سے واپس چلے تو بنارس، جبلپور، کانپور، الہ آباد ہوتے ہوئے بھوپال میں پہنچے اس سفر میں جو ۱۲۹۲ھ میں پیش آیا دو مہینے چار روز کا زمانہ صرف ہوا

دربار قیصری کا سفر۔ یکم جنوری ۱۸۷۷ء دہلی میں ایک بڑا دربار منعقد ہوا جس میں ملکہ معظمہ کے خطاب قیصرۂ ہند اختیار کرنے کا اعلان کیا گیا۔ لارڈ لٹن وائسرائے گورنر جنرل نے بڑے شاہانہ سامان کئے تمام حکام گورنمنٹ اور فرمانروایانِ ہندوستان جمع ہوئے چنانچہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بھی ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۹۳ھ کو دہلی تشریف لے گئیں حکیم صاحب ہمراہ تھے اس دربار کے موقع پر حکیم صاحب نے دو کام قابلِ یادگار کئے

پہلا کارنامہ یہ ہے کہ جناب بیگم صاحبہ بھوپال اور حضور نظام دکن کی ملاقات کرائی اس ملاقات کی پہلے تحریک کی گئی تو اُمرائے دکن نے تامل کیا اور کہلا بھیجا کہ نواب دست محمد خاں

بانیِ ریاست بھوپال کی وفات کے وقت جب افغانانِ ریاست نے شورش کرکے سلطان محمد خاں
کو اپنا حاکم بنالیا تھا تو اُس وقت حضور نظام کے جداعلیٰ نے یار محمد خاں کی طرفداری کرکے
اُنھیں خلعت وخطاب نوابی عطا فرمایا اور بھوپال کا والی قرار دیا جس کے باعث سلطان محمد خاں
مجبور ہوکر ریاست سے دست بردار ہوگئے اور یار محمد خاں حکمراں ہوئے اس واقعے سے ظاہر
ہے کہ ریاست بھوپال دکن کی احسان مند ہے۔ لہٰذا خود والیہ بھوپال کو فرمان روائے دکن کے
یہاں آنا چاہیئے۔ والیِ حیدرآباد کو رئیسہ بھوپال کے کیمپ میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اُدھر سے
یہاں آنے میں تامل ہوا۔ تو اِدھر سے بھی سکوت اختیار کیا گیا لیکن یہ نہایت افسوس ناک معاملہ
تھا۔ خصوصاً حکیم صاحب کو اس کی سخت تکلیف تھی اور وہ نہ ہوتے تو یہ گتھی شاید نہ سلجھتی
چنانچہ وہ فوراً اپنے دلی دوست مولوی محمد شاہ صاحب متوسل شاہ اودھ سے ملے جن سے
نواب مختار الملک میر تراب علی خاں سرسالار جنگ مدار المہام دکن سے پرانے مراسم تھے اُنھیں
ہمراہ لیا اور مختار الملک کی خدمت میں حاضر ہوکر نفس معاملہ کے متعلق ایک پُرمغز تقریر کی
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملنے جلنے میں آمدنی یا حیثیت ملکی کا مساوی ہونا ضروری نہیں فقط ہم منصب
ہونا شرط ہے۔ اسلام نے اخوت دینی کا ایسا مضبوط رشتہ قائم کردیا ہے جس نے مسلمانوں
کے درمیان کلمہ گو ہونے کی وجہ سے کوئی جھگڑا باقی نہیں رہا۔ دین محمدی نے جہالت کی
نخوتیں مٹادیں اور اتفاق کو فلاح دارین اور اعلیٰ ترین دولت قرار دیا۔ لہٰذا اگر اسلامی
فرمانرواؤں میں یہ مغائرت باقی رہی تو قومی ترقی قطعاً مسدود ہوجائیگی اور اس باہمی
تفرقہ سے اکثر دینی احکام اور مذہبی مصلحتوں کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہے حقوق رعایا
برایا اور دیگر معاملات حکمرانی مسائل میں مبادلۂ خیالات نہایت مفید شے تصور کیا گیا ہے۔
علاوہ بریں کسی ہمسر اور ہم چشم کی ملاقات میں جو لطف ہے کسی دوسری چیز میں نہیں۔ لہٰذا

دامن سے مراسم اتحاد کا باقی ہونا ضروری امر ہے۔ حکیم صاحب کی اس موثر و مدلل گفتگو سے
نواب مختار الملک بہادر بہت محظوظ ہوئے اور باہمی آمد و رفت اور ربط و ضبط کے معاملہ کو
منظور کر لیا۔ فوراً ملاقات کے لئے اوقات معین ہو گئے پیشتر جناب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ
مع ولیعہد اور چند ارکان دولت کے جن میں حکیم صاحب بھی تھے حیدرآباد کو تشریف
لے گئیں اور حضور نظام الملک آصفجاہ اور ان کی والدہ ماجدہ سے ملاقات کی۔ اس کے
بعد نواب میر محبوب علی خاں بہادر بالقابہ فرمانروائے دکن مع اپنے نامدار مختار الملک
بہادر و [illegible] و دیگر ارکان دولت کے بھوپال کو تشریف لائے اور بیگم صاحبہ بھوپال سے
ملاقات فرمائی اس زمانہ میں حضور نظام غفران مکان کا سن قریب دس برس کا تھا ان واقعات
کو خود حکیم صاحب نے مجھ سے بیان کیا اور ان کی تصدیق مولوی مسیح الزماں خاں صاحب استاد
حضور نظام دکن نے بھی کی مولوی صاحب ممدوح یہ بھی فرماتے تھے کہ بیگم صاحبہ بھوپال کی طرف سے
سفارت حکیم صاحب ہی کرتے تھے اور صرف انہیں کی کوشش سے یہ ملاقات انجام کو پہنچی۔
مولوی صاحب موصوف خود اس نسبت میں شریک تھے اور حضور نظام کے ساتھ ان کا موجود
ہونا کتاب یادگار دربار قیصری مولفہ مسٹر ویلر کے صفحہ ۱۴۸ جلد دوم میں مذکور ہے۔

دوسرا کارنامہ اس دربار کے موقع پر حکیم صاحب کو جو دوسری نیکنامی حاصل ہوئی
ویسی آج تک کسی دوسرے شخص کو نصیب ہونا مشکل ہے۔ شاہزادہ [illegible] فرزند میرزا
محمد مرزا علی بہادر واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے ولیعہد فرزند حکیم صاحب کے مہمان ہوئے
شاہزادہ موصوف اپنی کمال سادگی کے ساتھ مولوی محمد شاہ صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر
بغرض شرکت دربار کلکتہ سے دہلی تشریف لائے تھے مولوی محمد شاہ صاحب [illegible]
کی بنا پر سب سے پہلے خانہ حکیم صاحب [illegible]

خیمہ جات کا انتظام کیا چونکہ بھوپال کیمپ میں خیمے خالی نہ تھے۔ لہذا حکیم صاحب نے رامپور کیمپ سے خیمے منگوائے کیونکہ نواب کلب علی خاں بہادر فرمانروائے رامپور اپنا کیمپ دہلی کو روانہ کر چکے تھے مگر ناسازی طبع کے باعث خود دہلی میں تشریف نہ لا سکے۔ غرض کہ نہایت سرگرمی سے شاہزادہ صاحب کی آسائش کا انتظام کیا۔ اس وسعت اخلاق و خاطر مدارات کو دیکھکر شاہزادہ صاحب نہایت خوش ہوئے اور اپنی مسرت کے اظہار کے لئے مولوی محمد شاہ صاحب کے ہمراہ اس خیمہ میں تشریف لائے جس میں حکیم صاحب کا قیام تھا۔ شہزادہ صاحب سراپا تہذیب تھے کمال اخلاق شاہانہ سے پیش آئے اور جب دہلی سے رخصت ہو کر وہ اپنے عارضی وطن کلکتہ کو واپس گئے تو اپنا دیوان موسومہ بہ جودت تفنن حکیم صاحب کو بھیجا۔

اپنے ملک کے بادشاہ کا فرزند ولیعہد کسی کو لائق قدر کمال سمجھکر سرفراز فرمائے اور ہمیشہ یاد رکھے تو یہ عزت افزائی و مراسم سعادت کا انتہائی درجہ ہے خود حکیم صاحب اس سفر کے متعلق ایک خط میں اپنی قلم سے میر حبیب اللہ صاحب کو جواباً لکھتے ہیں کہ:

میں اس عرصہ میں نہایت عدیم الفرصت رہا حتی کہ قضاء حاجات اور رسته ضروریہ اور اکل و شرب وغیرہ میں بھی فتور لاحق ہوا۔ سواری سرکار کی غالباً بتاریخ ۲۵ ذیقعدہ دہلی روانہ ہو اور یقین کہ دوم ذی الحجہ کو دہلی میں داخل ہو جائے احقر کو بھی ہمراہ لے جائنگی اور ابھی میں قطعی وعدہ نہیں کر سکتا کہ دہلی سے بالضرور حاضر خدمت ہونگا پیشتر ہنڈی سرکار کی بھیجی گئی تھی اب مبلغ یک صد روپیہ کی ہنڈی اور ارسال خدمت شریف کرتا ہوں۔ پہلے فرودگاہ سرکار کی قریب شہر کے تجویز ہوئی تھی۔ اب تحریر آئی کہ وہ جگہ تبدیل کی گئی۔ قریب سات کوس کے میدان میں جملہ روسائے مطلوب نمبردار ٹھہرینگے اور چھوٹے چھوٹے رئیس بھی اس دربار میں طلب کئے گئے ہیں بوجہ کثرت روساء دہلی میں مجمع کثیر ہوگا۔ کل فرمائشات جو آپ نے چند خطوط میں

تحریر فرمائی ہیں اُن کی فہرست ارسال فرمائیے کہ بموجب اس کے دہلی میں اگر گراں نہ ہوئیں
تو خرید لونگا اور یقین ہے کہ کل شے وہاں گراں ہو۔ اس سے بہتر ہے کہ اگر لکھنؤ کوئی جاتا ہو تو
اس کی معرفت لکھنؤ سے خرید فرمالیجئے۔

سفرِ بمبئی ۱۶ر نومبر ۱۸۷۲ء مطابق ۱۴ر رمضان ۱۲۸۹ھ ہجری کو لارڈ ناتھ بروک،
وائسرائے گورنر جنرل ہند نے عطائے خطابات کا ایک دربار بمبئی میں قائم کیا اور حسب الطلب
نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بھی جا کر شریک دربار ہوئیں اور حکیم صاحب ہمراہ تھے۔ اس دربار میں
بیگم صاحبہ ممدوحہ کو تمغہ ستارۂ ہند درجہ اول کا خاص عطا فرمودۂ ملکۂ معظمہ پہنایا گیا تھا۔ اثنائے سفر
میں حکیم صاحب کو شہر سورت، احمد آباد، گجرات، بڑودہ وغیرہ کی سیر کا موقع ملا۔ جہاں وہ
بزرگانِ سلف اور اولیاء اللہ کے مزاروں پر حاضر ہوئے اور علما و مشائخ سے ملاقات کی۔

اضلاعِ ریاست کا دورہ - ۱۸ر فروری ۱۸۶۹ء مطابق ماہ شوال ۱۲۸۵ھ سے،
نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے اپنے ملک کا دورہ کیا اور حکیم صاحب کو بغرض علاج ہمراہ لے گئیں۔
اس دورہ کا سلسلہ دو سال تک جاری رہا اور ۱۳ر فروری ۱۸۷۱ء کو ختم ہوا۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ اپنی والدہ کی وفات کے بعد مسند نشین ہوئیں تو اس
تقریب میں بھی حکیم صاحب شریک تھے اس جلسہ کا انتظام وسیع پیمانہ پر ہوا تھا۔ نواب
شاہجہاں بیگم صاحبہ کے عہد میں اکثر امور جو ظہور میں آتے اُن میں حکیم صاحب موجود و مشیر ہوتے
تھے۔ صدیق حسن خان کا دور دورہ ہونے سے پیشتر بیگم صاحبہ کے معتمد علیہ بیشتر حکیم صاحب ہی
تھے زبانی بھی مشورہ دیا کرتے اور تحریری رائیں بھی خدمت میں پیش کرتے اور یہ
اسی کی برکت تھی کہ خلد مکان کے زمانۂ حکومت میں بہت سے انتظامات ایسے ہوئے
جن سے رفاہ عام اور ریاست کی ترقی و ناموری ہوئی۔ بیگم صاحبہ بالطبع رحمدل و فیاض تھیں

ان کے بڑے بڑے کارناموں کا تذکرہ مختصر طور پر ہم نے حاشیہ[1] پر لکھا اس وجہ سے ضروری
خیال کیا کہ حکیم صاحب کی نظر سے ایسے شاہانہ معاملات و اہم واقعات گزرے اور بعض میں

---

[1] نواب شاہجہان بیگم صاحبہ بالقابہا نو برس کی عمر سے بعد انتقال اپنے والد جہانگیر محمد خاں صاحب کے بحکم گورنمنٹ بہ لقب رئیسہ و والیۂ ملک بن کر خلعت ریاست پا چکی تھیں۔ جب بائیس برس کا سن ہوا تو اس قابل ہوئیں کہ بذات خود انتظام ریاست کریں مگر اپنی خوشی سے اور اپنی جانب سے اختیارات حکمرانی اپنی والدہ محترمہ کے ہاتھ میں دیدیئے تھے۔ آپ ولی عہد ہی رہیں اور فقط اپنی جاگیر پر اکتفا کی۔ ۱۲ صفر ۱۲۸۴ھ کو جب ان کے نیک نام شوہر نواب امراؤ دولہ باقی محمد خاں بہادر نے انتقال کیا اور ۱۳ رجب ۱۲۸۵ھ میں ان کی والدہ نواب سکندر بیگم صاحبہ نے بھی رحلت کی تو عنانِ حکومت انہیں اپنے ہاتھ میں لینا پڑی ریاست کا سارا کاروبار ان کے سر پر آ پڑا۔ مگر ہر کام کو نہایت عمدگی سے انجام دیا پہلے سات لاکھ روپیہ کا قرض جو خریداری اشیار کے بابت تھا ادا کیا۔ تیرہ ہزار چھ سو اکتیس مقدمات جو زیر تجویز و غیر منفصل پڑے ہوئے تھے۔ ان سب کو جس محکمہ سے تعلق تھا اُس محکمہ کے افسر سے متعلق کیا اور میعاد مقرر کر کے انفصال مقدمہ کی تاکید فرمائی۔ چار ہزار چھیاسی کاغذات جو دفتر انشا میں ان کی والدہ کے زیر تجویز پڑے ہوئے تھے اور اہل مقدمات اُن پر حکم نہ ہونے سے پریشان تھے ہر ایک کو بیگم صاحبہ نے خود سنا اور قطعی احکامات لکھوا کر جاری فرما دیئے۔ سواروں پیادوں فوج کی مقررہ تنخواہوں میں مناسب اضافہ فرمایا۔ اور ۱۷ فروری ۱۸۶۹ء سے بیگم صاحبہ نے ممالک محروسہ کا دورہ بغرض دادرسی اختیار کیا جو دو برس تک قائم رہا۔ کرنل تامسن صاحب ایجنٹ نے حسب دستور ان امور کی اطلاع گورنمنٹ کو دی اور سرکار برطانیہ سے ایک تحریر خوشنودی بیگم صاحبہ کے نام آئی اور گورنمنٹ آف انڈیا نے بغرض اطلاع عام گزٹ میں مشتہر کرا کے نقل اس کی وزیر انگلستان کی خدمت میں بھی روانہ کی۔ ڈیوک آف ارگل سکرٹری سٹیٹ آف انڈیا نے ویسرائے کو لکھا ہے انتظام ریاست جو بیگم صاحبہ نے اپنی مسند نشینی کے روز سے کیا ہے اُس سے ہم کو نہایت خوشی حاصل ہوئی کہ صدر نشین ہونے کے بعد فوراً ہی اپنی ہوشیاری و دانشمندی ثابت کی جیسی کہ ان کی والدۂ ماجدہ نے سالہا سال میں ثابت کی تھی حضور ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند دام اقبالہا نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہماری طرف سے اس امر کی خوشنودی کا اظہار کرو کہ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ نے انتظام ریاست میں اپنی ایسی اعلیٰ قابلیت ظاہر کی۔ بیگم صاحبہ ممدوحہ کے عہد دولت میں جنگلات کا انتظام شروع کیا گیا اور ہر محال میں ایک طبیب مامور ہوا اور اطبا کی نگرانی کے لئے ایک افسر الاطبا اور اس کے مصارف تنخواہ

(بقیہ بر صفحہ ۳۶)

حکیم صاحب کی موجودگی و راتے بھی شریک ہوتی تھی۔

حکیم صاحب کا بیان ہے کہ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کے حسب ارشاد صاحبزادی صاحبہ والیہ عہد کے عقد کے لئے میں نے ایک اچھا شریف لڑکا مسمی صادق علی خاں تجویز کیا تھا یہ

بقیہ صفحہ ۳۸

ہوئے ایک کافی رقم مقرر کی گئی۔ دارالریاست میں بڑے بڑے ہسپتال قائم ہوئے۔ محالات میں مدرسے جاری کئے گئے اور اسی سال باقاعدہ کھیتی پیمائش ملک کا کام شروع ہوا اور قانون تنخواہ ملازمان و اختیارات اہلکاران و دیگر آئین مالی و دیوانی کا اجرا ہوا۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۲۷۱ھ سے تمام ملک میں [illegible] کی بندی اور محتاجوں کے واسطے سدا برت جاری ہوا۔ قوانین فوجداری و دیوانی و مال طبع ہو کر نافذ کئے گئے اور اسی واسطے محکمہ مطبوعات شاہجہانی قائم ہوا۔ ممالک محروسہ چار نظامتوں اور ۳۳ پرگنوں پر تقسیم کیا گیا اور ہر نظامت میں ایک ناظم یعنی کلکٹر ضلع اور ہر تحصیل میں تحصیلدار مقرر کیا گیا۔ ہوشنگ آباد سے بھوپال تک ریل جاری ہونے کے واسطے پچاس لاکھ روپیہ دیا گیا۔ ریاست کی فوج کے لئے پنشن کا قاعدہ بھی مقرر ہوا اور رعایا سے صفائی اور روشنی کے لئے جو [illegible] وصول لیا جاتا تھا وہ معاف ہوا اور [illegible] کی جگہ تیس ہزار روپیہ سالانہ کا رقم معین کیا گیا [illegible] کے واسطے اور بیواؤں کے واسطے وظیفے اور یتیموں کے واسطے بھتے مقرر کئے گئے محکمہ جات [illegible] قائم ہوئے [illegible] لاکھ روپیہ [illegible] ہوشنگ آباد تک ریل شریک بار [illegible] اور [illegible] مسافروں کی آرام کے واسطے بنگلے تعمیر کئے گئے۔ شاہجہاں آباد و تاج محل و [illegible] تاج المساجد کی عمارتیں لاکھوں روپیہ صرف کر کے بنائیں اور [illegible] تیار ہوئی تاج محل [illegible] کیا گیا جس میں تقریباً دس ہزار روپے [illegible] زیورات کے صرف ہوئے۔ شہر و مضافات کے ہزاروں امرا و غربا کی دعوت ہوئی جن [illegible] کھانا تقسیم ہوا وہ بھی [illegible] کر دیئے گئے۔ دو برس تک اس جشن کا سلسلہ جاری رہا اور تخمیناً دس لاکھ روپیہ خرچ ہوئے۔ فی الواقع نواب شاہجہان بیگم صاحبہ میں فیاضی اور اولوالعزمی کا مادہ بہت تھا نہ صرف ریاست کے معاملات بلکہ بیرونی سلطنت کے واقعات میں لاکھوں روپیہ دے دیتے۔ چنانچہ ۱۲۹۱ھ میں لشکر ترکی کی اعانت میں ایک لاکھ روپیہ بھیجے جس پر سلطان المعظم عبدالحمید خاں نے تمغہ مجیدی درجہ [illegible] بھیجا ۱۸۷۲ء میں شہنشاہ فرانس نے تمغہ بھیجا اور سند لکھا۔ وائسرائے گورنر جنرل جو بھوپال میں آکر مہمان ہوئے وہ آپ کی دریا دلی و مہمان نوازی

(بقیہ بر صفحہ ۳۷)

لڑکا ناصر خاں کے خاندان سے تھا وہ شاہجہان پور کے محلہ گاڑھی پورہ میں رہتے تھے اُس لڑکے کو میں بھوپال لے جانا چاہتا تھا اور اس کے بارہ میں حاجی محمد امین خاں حاجی محمد حسین خاں صاحبان اختیار پوری نے منشی منصب علی خاں سلیمانی سے ایک خط بھی لکھوا کر مجھے بھیجا تھا جس کا سرنامہ سے دلبرے برگزیدہ ام کہ مپرس - مجھے اب تک یاد ہے یہ خط نہایت لیاقت سے لکھا گیا تھا۔ اس کے پہنچنے کے بعد حسب منظوری سرکار عالیہ وہ لڑکا شاہجہانپور سے روانہ ہو کر کان پور تک پہنچا تھا کہ فخر الدین خاں رئیس گاڑھی پورہ نے ناصر خان کی مخالفت سے سرکار بھوپال میں ایک ایسا خط بھجوایا جس میں لکھا تھا کہ اس لڑکے کے باپ میں جذام کا مادہ

(بقیہ صفحہ ۳۶) کی تعریف کر کے نہایت خوش گئے۔ مدرسہ دختران اسلام بھی قائم کیا تھا۔ بیگم صاحبہ کو علمی مذاق سے بھی دلچسپی تھی فضلا کا مجمع بھی ان کی مجلس میں رہتا شاعری سے بھی شوق تھا۔ مفتخر شیریں بعدہٗ تاجور تخلص پسند کیا دیوان تاج الکلام، تہذیب النسواں، خزینۃ اللغات وغیرہ آپ کی تصنیفات سے مشہور کتابیں ہیں جن میں سے بعض راقم کی نظر سے بھی گزری ہیں آخر ماہ صفر ۱۳۱۹ھ میں جب کہ سرسٹھ برس کی عمر تھی سفر آخرت کیا۔ بیگم صاحبہ کی قومیت میرازی خیل پٹھان ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ سردار دوست محمد خاں نے ۱۱۲۰ ہجری میں افغانستان سے آکر بہادر شاہ بن اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ریاست بھوپال کی بنیاد ڈالی اور قلعہ و شہر پناہ بنا کر ترقی آبادی میں کوشش کرتے رہے۔ خود نواب شاہجہان بیگم صاحبہ نے تاریخ تاج الاقبال میں ریاست بھوپال کی کل اراضی چھ ہزار ساٹھ سو پینسٹھ میل مربع کسر اور تمام ملک کی آبادی قریب دس لاکھ کے تحریر فرمائی ہے اور ہر ہائی نس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے گوہر اقبال میں اس ریاست کے سالانہ مصارف ۳۲ لاکھ ۸۵ ہزار جس میں ۲ لاکھ روپیہ ماہوار تنخواہ ملازمین ہے اپنے زمانہ مسند نشینی میں ارقام فرمائی اور منشی احمد حسین خاں میر دبیر ریاست نے ساٹھ لاکھ آمدنی براقم سے جنوری ۱۹۱۲ء میں بیان کی تھی واللہ اعلم بالصواب۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس ریاست میں چار پشتوں سے مسلسل عورتیں مالک و حکمراں رہیں۔ نہ ان کی کوئی بہن زندہ رہی نہ حقیقی بھائی رہا بلکہ زمانہ حکومت میں ہر ایک کے میں شوہر کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب آنا شے ذکور میں ریاست منتقل ہوگی کیونکہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے کوئی صاحبزادی زندہ نہیں رہیں اولاد میں (خدا نظر بد سے بچائے رکھے) ایک صاحبزادے موجود ہیں۔ جو ولیعہد بھی ہو گئے ہیں اور جن کو سرکار عالیہ نے اپنی حکمرانی کے اختیارات بھی تفویض کر دیئے ہیں ان کا نام نامی نواب افتخار الملک حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر ہے۔ فطرتاً بڑے ذی اخلاق ہیں ۱۲

تھا اور اس میں بھی اُس مادّہ کے عود کرنے کا اندیشہ ہے۔ مجھے وہ خط دکھایا گیا تو باوجود کہ غلط واقعات سے مملو تھا اور ازراہِ نفسانیت محض نیش زنی کی غرض سے لکھا گیا تھا مگر معاملہ خاموشی اختیار کی اور اس بارہ میں زور دینا مناسب نہ جانا۔ چنانچہ وہ نسبت چھوٹ گئی۔ خاکسار راقم سے اس واقعہ کی تصدیق خود صادق علی خاں مذکور اور معشوق علی خاں وکیل نے بھی کی تھی

بھوپال کے قابل الذکر معاملات میں حکیم صاحب کا ایک کارنامہ میر دبیر مخروج کے اخراج کا ہے۔ منشی عبد العلی نام ایک شخص وہاں میر دبیر کے عہدے پر ممتاز تھا اس کا قدم حد اعتدال سے باہر نکل گیا اور اُس کی بے عنوانیوں سے خلق چیخ اُٹھی ریاست کے معاملات پر وہ اس درجہ حاوی ہوگیا تھا کہ کوئی شخص اُس کا مقابلہ نہ کرسکتا حکیم صاحب نے یہ حالت دیکھی تو نہ رہا گیا۔ اُس کے اخراج کے لئے مناسب تدبیریں اختیار کیں سرکار عالیہ کی خدمت میں اُس کے بے جا حرکات بیان کئے بعد ازاں اُس کی بدمعاملگیوں کی تصدیق بھی کرادی آخر وہ نکالا گیا اور سارے شہر میں مخروج کے لقب سے مشہور ہوگیا اس کی بابت حکیم صاحب کے کسی مخلص دوست نے انھیں ایک خط بھیجا تھا جس کو حکیم صاحب نے آخر دم تک محفوظ رکھا۔ اس کے ملاحظہ سے واقعہ کی مفصل کیفیت اور معاملہ کی اہمیت ثابت ہوتی ہے لہذا ہم اُسی خط کی نقل یہاں بجنسہ پیش کئے دیتے ہیں۔

نقل خط

جناب حکیم صاحب۔ بعد سلام مسنون آنکہ چونکہ مجھے آپ کی ذات سے فیض ہوا ہے اور آپ صاحبِ سلوک ہیں۔ اس کے ماسوا بہت غریبوں کو آپ کی ذات سے فیض ہوتا ہے بخیال خیر خواہی آپ کو اطلاع کرتا ہوں کہ میر دبیر منشی عبد العلی خاں کے نزدیک یہ بات قرار پائی کہ یہ سب ہماری خرابی حکیم فرزند علی کے سبب سے ہوئی اور جب تک یہ ہیں ہماری

۱؎ سیرت والا جاہی کے صفحہ ۲۲ جلد دوم میں ہے کہ میر دبیر میاں مسکین شاہ کے بیٹے تھے یہ نواب سکندر بیگم صاحبہ کے عہد میں بھی اپنی حرکات پر معزول ہوئے تھے مگر تقصیرات معاف ہو کر منصب پر بحال ہو گئے۔ مگر حسب عادت پھر حرکتیں شروع کیں جس باعث اب کی ہمیشہ کے لئے موقوف ہو گئے۔

جدائی ہوگیا ہے۔ بخشی گری اور منشی اور مدارالمہام اور ولایتی کے لڑکے کا دخل بھی موقوف نہ ہوگا
اس واسطے آپ کو زہر دینے کی اور ہلاک کرنے کی فکریں تجویز ہوئی ہیں اور کچھ ان کو اس کا اطمینان
بھی ہوگیا ہے۔ شاید کوئی آدمی آپ کا اُن سے مل گیا ہے اور اکثر فوج کے اور شہر کے لوگ اُن سے
ملے ہیں۔ آپ اپنا کسی کو دوست نہ سمجھیں جو کچھ آپ کرتے ہیں اور حویلی کے لوگ سب خبریں ان کو
پہنچتی ہیں وہ بھی آپ کی تدبیر سے غافل نہیں ہیں آپ کے ہلاک کرنے کا ارادہ مستحکم کیا ہے آپ نے
مفت میر دبیر کو اپنا دشمن بنالیا۔ اب جو وہ معزول ہوئے تو آپ کو کیا فائدہ ہوا۔ اگر آپ اُن سے
اتفاق رکھتے تو آپ کو بہت کچھ فائدہ ہوتا۔ اگر سرکار بھی ناخوش ہوجائیں تو اس قدر آپ کا
نقصان نہ ہوتا۔ اب یقین کر لیجئے کہ میر دبیر سرکار میں پہنچا چاہتے ہیں اور ایک ایک سے بدلہ
لینگے اور کسی سے کچھ بن نہ آئیگی اور سرکار بھی ان کی طرف ہوجائینگی۔ آپ بخشی حافظ محمد حسن
خاں صاحب کی معرفت عہد و پیمان مضبوط کرکے میر دبیر سے مل جائیں اور آپ مدارالمہام پر بھروسا
نہ کریں ان کی بھی تدبیر ہوگئی ہے۔ آپ جلدی کیجئے۔ اب بہت جلد میر دبیر کا دخل ہوا چاہتا ہے
نام میں نے اپنا اس واسطے نہیں لکھا کہ آپ شاید ظاہر کردیں اور میر دبیر صاحب میرے دشمن
ہوجائیں اور خرابیاں ہوں۔ ۱۴ رجمادی الاول ۱۲۸۷ھ

درحقیقت میر دبیر کی علیٰحدگی ایک بڑا معرکہ آرا معاملہ تھا۔ معاملات ریاست پر وہ ایسا حاوی ہوگیا تھا کہ اس کا اثر سب پر غالب تھا اور تا حد امکان اس نے کوئی فکر اٹھا نہ رکھی مگر حکیم صاحب کی پاک نفسی پر غالب آنا غیر ممکن تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ ان کے ایسے صاحب تدبیر و مقرب شخص کے مقابلہ میں وہ کیسے بازی لے جاسکتا تھا چنانچہ تا زیست نہ وہ بحال ہوسکا اور نہ اس کا کوئی وار کارگر ہوا ؎

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

حکیم صاحب کا حج کے لئے عرب کو جانا

سنہ ۱۲۷۹ھ میں حکیم صاحب نے حج بیت اللہ شریف کا قصد فرمایا شاہ آباد سے حاجی محمد خاں صاحب غبیار پوری اور بھوپال کے چند اشخاص آپ کے ساتھ گئے۔ اگرچہ والیہ ملک کے اشاف میں داخل ہونے کے باعث لسنس اسلحہ سے مستثنی تھے مگر یہ غیر ممالک کا سفر تھا اس لئے روانگی کے وقت حکیم صاحب کو سرکار انگریزی سے پروانہ راہداری عنایت ہوا جو حسب ذیل ہے

ترجمہ پاس راہداری

حکیم سید فرزند علی ملازم نواب شاہجہاں بیگم رئیسہ بھوپال بنا بر حصول زیارت بیت اللہ شریف، مکہ معظمہ کو جاتے ہیں اور وہ شاہ آباد ضلع ہردوئی ملک اودھ کو بھی یہاں سے جائینگے اُن کے ہمراہ چار بندوق چار تلوار چار چھری چار پستول دو نمبر ہیں اس واسطے بموجب ایکٹ ۳۱ر مئی سنہ ۱۸۶۰ء یہ پاس دیا جاتا ہے کہ اثنائے راہ میں کوئی ان سے بابت ہتیاروں کے مزاحمت نہ کرے۔ فقط

مرقوم ۱۸ر ستمبر
سنہ ۱۸۶۲ء



من جانب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ ریاست بھوپال حکم ضروری یہ کہ پاس آمدہ محکمہ بھوپال وتخطی کرنل ولیم ولیی اسبورن صاحب بہادر پولٹیکل ایجنٹ بھوپال وغیرہ حسب حکم

یہ ارفرزند علی ملازم ریاست بھوپال طبیب خاص کو دیا جاوے کہ اپنے ہمراہ رکھیں اور وقت ضرورت سفر وطن اور مکہ معظمہ میں بکار خود لاویں۔ فقط تحریر بفتادہم شہر

تحریر ہفتدہم شہر رجب المرجب ۱۲۸۹ ہجری ملاحظہ شد ۱۶ رجب ۱۲۸۹ نمبر ۴

حکیم صاحب نے ارض مقدس عرب کی راہ لی تو بمبئی تک ریل گاڑی پر اور وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر جدہ پہنچے اور وہاں سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مکہ شریف میں اپنے استاد ملا محمد نواب صاحب مہاجر سے مل کر نہایت محظوظ ہوئے اکثر اوقات ان کی خدمت میں حاضر رہتے اور وہاں کے علما و مشائخ کی صحبت سے استفادہ کرتے۔ حکیم صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک روز ہم چند آدمی ملا صاحب کے پاس بیٹھے تھے یکایک دیکھا کہ عربوں کے گروہ اس طرف دوڑتے چلے جاتے ہیں۔ جدہ سے ہندی قافلہ آتا ہے ان لوگوں سے اس دوڑنے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے ہم نے سنا ہے کہ سلطان ہندی (یعنی نواب صاحب رام پور) ہاتھی نام کا ایک جانور جو عجیب الخلقت ہوتا ہے ہمراہ لا رہے ہیں۔ اس کے دیکھنے کو ہم سب بکمال اشتیاق دوڑے جاتے ہیں۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ نواب کلب علی خاں بہادر بعض اسباب سے اپنے ہمراہ ہاتھی نہیں لے گئے۔ اکثر اوقات حکیم صاحب ملک حجاز و اہل عرب کے دلچسپ اشعار و قصے بیان فرمایا کرتے تھے۔

جب اس ارض مقدس سے انوار و برکات حاصل کر چکے اور ارکان حج ادا ہو گئے تو حکیم صاحب مکہ معظمہ سے سفر کر کے مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور حضور سرورِ عالم کے روضۂ اقدس کی زیارت سے سعادت دارین حاصل کی۔ وہاں کی برکات و انوار کی کیفیت حکیم صاحب کے ہمسفر دوست حاجی محمد حسین خاں صاحب افغیارپوری جو ایک درویش سیرت رئیس تھے یہ بیان کرتے تھے کہ مسجد نبوی میں جیسے انوار پائے جاتے ہیں اور قلب کو

جیسی یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور جگہ ممکن نہیں وہ کیفیت یہاں مجھے مراقبہ میں کبھی نہیں نصیب ہوئی۔ درحقیقت یہ آفتاب رسالت کی باطنی شعاعوں کا جلوہ تھا جو وہیں طلوع ہو کر قلوب حاضرین کو فیضیاب کرتا ہے اور نور ایمان دلوں میں خود بخود چمک اٹھتا ہے۔ القصہ جب حکیم صاحب مدینہ منورہ کی خاک پاک کا سرمہ آنکھوں میں لگا چکے تو وہاں سے بھی رخصت ہوئے اور مع الخیر ہندوستان میں واپس آئے۔ واپسی کے بعد وطن ہوتے ہوئے بھوپال تشریف لے گئے اور بدستور اپنے عہدۂ افسر الاطبائی کے فرائض منصبی ادا کرنے میں مصروف ہو گئے

حکیم صاحب اور مولوی صدیق حسن خاں کے مراسم

بھوپال کے تعلقات میں حکیم صاحب اور مولوی صدیق حسن خاں کے مراسم دوستانہ بھی قابل بیان ہیں بیگم صاحبہ کے ساتھ شادی ہونے کے قبل مولوی صاحب موصوف حکیم صاحب سے نہایت نیازمندانہ و عاجزانہ طور پر ملتے تھے۔ سرکار عالیہ سے مقرب ہونے کے باعث حکیم صاحب کی ذات سے مرجع خاص و عام ہو رہی تھی چنانچہ بارہا مولوی صاحب نے بھی حکیم صاحب سے رجوع کر کے اپنے مقاصد حاصل کئے اور فائدہ اٹھایا۔ یہ سچ ہے کہ مولوی صاحب کی ترقی و عروج کے باعث حکیم صاحب ہی ہوئے پیشتر وہ منشی جمال الدین خاں صاحب مدار المہام ریاست کے یہاں پڑھانے پر ملازم تھے بعد ازاں ان کی بیوہ لڑکی کے ساتھ نکاح کا موقع ملا۔ پھر دفتر انشا میں تاریخ نگاری کی خدمت پر مامور ہو گئے۔ اس زمانہ میں انھوں نے جو خطوط حکیم صاحب کی خدمت میں خاص اپنے قلم سے لکھکر بھیجے وہ آج تک موجود اور ان میں سے دو ناظرین کے ملاحظہ کے لئے حاشیہ[1] پر درج کئے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں حکیم صاحب اپنے وطن شاہ آباد

---

[1] نقل خط مولوی صدیق حسن صاحب بنام حکیم صاحب :- باسمہ تعالیٰ شانہ حکیم صاحب مکرم و مخدوم
(باقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲)

تشریف لاتے تھے اور مولوی صاحب بھی حسن خاں بھی رخصت لے کر قنوج میں آتے ہوئے تھے ان خطوط کی عبارت بتا رہی ہے کہ ان دونوں وہ حکیم صاحب کو اپنا مخدوم و امیدگاہ تصور کرتے اور اپنے اغراض کو نہایت انکساری کے ساتھ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کرتے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) مجمع الفضائل والعلوم کمالات مثل حکیم فرزند علی صاحب اعلی اللہ تعالی مقامہم وحصول مرامہم بعد سلام شوق التیام و نیاز ضراعت انضمام مکشوف عالی خاطر باد۔ مکاتبہ عنایت وصحیفہ عطوفت نزول التفات آورد مضمون یادآوری فرمودہ فقیر از دیر باز مستفسر اخبار گرامی بود لیکن معلوم نمی شد حالا اجمالاً بخیریت سامی پے بردم امید ہست کہ از حقائق حالات مطلع فرمایند و کمترین بحصول رخصت آمدہ ام چنانچہ آخر پانزدہم ذیقعدہ مدت رخصت تمام شدنی ست بنا برش دہ داو آخر شوال عزم بالجزم معاودت دارم و غرض از آمدن تقریب عقود خواہران خردم بود کہ از دو جا تحریکش بمیان آمدہ بود لیکن بعد رسیدن اینجا از انجملہ یکے خللے رو داوہ و یک جا را بندہ نہ پسندیدم لہذا ہر دو در حیز توقف ماند و آمدن شد بے فائدہ شد حالا بنا بر آنکہ بندہ قبیلہ و عشیرہ کثیرہ ندارم و آنکہ دارم ہمہ امامی مذہب اند و از عہد والد مرحوم قرابت با ہما متروک ست ارادہ بردن ہمگنان بنا چاری جانب بھوپال دارم ورنہ ترک وطن بر نفس خردم خیلے شاق ست اگر در سادات شاہ آباد و جوار آں در نظر آں کرم فرما یک دو جائے رجال ذی لیاقت در دنیا صحیح النسب یا شیوخ عالی نسب باشند ذریعہ سامی صورت این معنی از قوہ بفعل خواہد ضرور توجہ فرمودنی است انشاء اللہ تعالی بعد عقد بھوپال روم و رخصت را بر وقت دیگر گزارم اظہار این معنی محض بر مبنی بر حقوق اسلام و بے تکلفی آں مخدوم ست و بس ورنہ چہ جائے ہیچ قیل و قال ہست۔ دیگر از اخبار بھوپال کہ از خطوط آنجا معلوم شدہ آنست کہ نواب سکندر بیگم صاحبہ با مادر و عیال خود و مدار المہام صاحب بہادر راہی کہ معظمہ شدند و قصد ولایت ہم تصمیم یافتہ و نواب شاہجہان بیگم صاحبہ و شوہر خود و دختران خویش واپس بہ بھوپال آمدند۔ حکیم احسن اللہ خاں برطرف شدند و حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی کہ مہتمم عدالت دیوانی شدہ اند رخصت دو ماہ بوطن آمدہ اند و از کرم فرمایان بندہ اند و نیز بعد صیام عازم بھوپال اند غالباً معیت بندہ صورت بندد و اگر قصد جناب باشد اعلام فرمایند کہ مراعات اتفاق سفر یک دیگر کردہ آید و فقیر این خط متوکلاً علی اللہ نوشتم زیرا کہ بر لفافہ خط سامی جز نشان شاہ آباد دیگر ہیچ علامت

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۵)

حکیم صاحب ہی کی وجہ سے مولوی صدیق حسن خاں کا نکاح نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ سے ہوا
لہذا غلط نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ حکیم صاحب کی بدولت وہ امیر الملک والاجاہ ہوئے۔ حکیم صاحب نے
بارہا اس کا قصہ راقم کے روبرو بعض اپنے معزز احباب سے بیان کیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) محلہ وغیرہ بنود بندہ زادہ نور الحسن زاد عمرہ مع الخیر ہست و بعالی جناب سامی
تسلیم میرساند از حقیقت حال خود مفصل اطلاع فرمایند جواب بایں نشان طلب شود در قنوج محلہ [illegible]
مکان سید اولاد حسین صاحب مرحوم رسیدہ نزد فلاں برسد۔ ایں قدر در مکاتبت ہمیں قدر تعلم آمد بصورت
حصول جواب بعض مقاصد دیگر نوشتہ خواہد شد۔ والسلام خیر ختام۔ محررہ صدیق حسن عفی عنہ ۱۱ رمضان ۱۲۹۸
بضرورت عدم اطلاع نام محلہ وغیرہ و خیال عدم ضائع بیرنگ فرستادہ شد معاف باد۔ (نقل خط دیگر) حکیم صاحب
مجمع عواطف بیکرانہ مصدر مراحم بیکرانہ کرمی معظمی جناب مولوی حکیم فرزند علی صاحب سیادت لطفہم سلام مسنون
اشتیاق مشحون میرسانم و خوشوقت بحصول صحیفہ سامی حسن نگارم سیادہ تا ہشتم شوال انشاء اللہ تعالیٰ بطرف
راہی بھوپال شدنی ست و در بار برداری ہمراہم یک ارابہ نرگا و ست و بس و با چندین براں کردنی ست لہذا اگر
کتب سرکاری بودن وہ سہ پنج آثار باشد البتہ می توانم برد و اگر زیادہ گراں باشد البتہ خالی از دقت نخواہد
بود۔ خط سامی در ہفت روز رسید خیال کردم کہ اگر جوابش در ڈاک بیرنگ میرسانم برائے حصول پاسخ آں مدت چہار
می باید و ایں قدر را یارا نبود۔ ایں جا ماندنی ست بنا بر علیہ بدست آدم معتبر خود میرسانم کہ نزد شما زود تر حاصل شود در
مقصود از تحریر ایں ست ہمیں ست کہ اگر بتوسط سامی فکر امر معلوم معقول قرار گیرد اطمینان خاطر حاصل شود و پس تفصیل
حال مطلوب سامی ایں ست کہ اگر سادات کرام ہات شاں اولاد صحیح النسب باشند آں جا موجود اند مضائقہ نیست
دو امر پیش نظر ست یکے آنکہ مفلس بسیار تنگ معاش نباشند دوم لیاقت ظاہری مثل قدرت انشاء فارسی و دیگر ابتدا
صوری و نیک وضع بوند زیرا کہ مفلسی از عیب شرع ہم ست و آدم بد لیاقت شہرہ ہم موجب بسیار عار ست اگر
فرزندان مانگن میاں صاحب سید باشند و از جانب معاش فاقہ مست نبوند گو او رشتان پٹھانی صحیح النسب
و لیکن جناب تواند شد تجویز فرمایند بلکہ صورت رفتار شاں حال خود را ملاحظہ ہم کنانید والا خلا البتہ نیست
کہ ما در شاں افغانی بود منظور نیست مگر آنکہ کسے متمول بسیار با لیاقت و ذی عزت باشد ہم چنیں اگر از سادات
شاہجہاں پور یا کسے نوا روہ باشد و اہل لیاقت و جاہ باشد فکر کردنی ست زیرا کہ سادات شیعہ مذہب لہذا

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۵)

کہ بیگم صاحبہ ۲۱ صفر سنہ ۱۲۸۴ ہجری کو ۲۹ برس کی عمر میں بیوہ ہوگئیں اور تین چار سال تک
بلا شوہر رہیں۔ اس زمانہ میں بیگم صاحبہ نے حکیم صاحب سے نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حکیم صاحب نے
مصلحتاً اس میں تامل کیا۔ اور بجائے اپنے مولوی صدیق حسن خاں صاحب کا نام پیش کر دیا جس کو
سن کر انھوں نے ناپسند کیا پھر جب اس امر میں حکیم صاحب نے جمال الدین خاں صاحب مدارالمہام
سے مشورہ کیا تو انھوں نے بھی اختلاف کیا۔ شکایت کے طور پر عیوب بیان کیے۔ اور کہا آپ
ان کے لئے ہرگز کوشش نہ کیجئے وہ اس مرتبۂ عالی کے اہل نہیں۔ مجھے ان کا ذاتی تجربہ
ہو چکا ہے۔ مگر حکیم صاحب اپنی طینت سے جو خیر محض تھی مجبور تھے امر نیک سمجھ کر پھر بیگم صاحبہ سے
عرض کیا اور نکاح کے معاملہ پر دوبارہ زور دیا اور یہی ذہن نشین کر دیا کہ اگرچہ وہ بظاہر
مقدرت نہیں رکھتے مگر ان کی قومی شرافت اور علمی لیاقت ضرور قابل قدر ہے۔ غرضکہ ان کے
ذی علم اور سید ہونے کا شرف دل میں جمایا اور اپنے قوی دلائل سے کوشش بلیغ کر کے بیگم صاحبہ
کو راضی کر دیا۔ چنانچہ حکیم صاحب کی سعی سے ۱۷ صفر سنہ ۱۲۸۸ ہجری مطابق سنہ ۱۸۷۱ء کو مولوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) صحیح النسب سخت مفلس با کم لیاقت در قصبات حوالی قنوج مثل رہان و بلگرام
بسیار میسر می آیند و لیکن این ہمہ وقت از ہمیں رہگذر باشد کہ تلاش آدم متوسط در افلاس مالدار سے
عالی نسب بہر حال اگر جائے در نظر سامی باشد اطلاع رود و اگر پسران مانگن میاں صاحب نیک بخت باشند
فاقہ مست نبودند و فی الجملہ لیاقت ہم داشتہ باشند و سید باشند خوب ہستند بلکہ اگر ہر دو خواہر ہر دو برادر شوند
بسیار بہتر باشد۔ دیگر آنکہ از چند روز دو سہ دانہ خارش و انثیین دارم و بسبب بے پروائی حالا زیادتی
آں شد۔ چنانچہ اکنوں تکلیف سخت است و رسیدن باین خارش تا بھوپال دشوار می نماید درینجا حکیم
کہ نسخہ نویساینده در راہ استعمال کناں بروم لہذا آں جناب تکلیف میدہم و علاج مجرب مناسب تجویز فرمودہ
نسخہ عنایت فرمایند و اگر تیار باشد قدرے لطف فرمایند۔

مورخہ ۵ شوال سنہ ۱۲۸۶ ہجری حررہ صدیق حسن عفی عنہ ۱۲

صدیق حسن خاں کا نکاح نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کے ساتھ ہوگیا چند روز
بعد مولوی صاحب نوابی کے عہدے پر فائز ہوئے اور بیگم صاحبہ کے نکاح ہوجانے کے
باعث حسب سفارش ہز ہائی نس گورنمنٹ آف انڈیا سے نواب والا جاہ امیر الملک کا خطاب
۱۷ ضرب توپ کی سلامی مقرر ہوئی۔ ریاست کی طرف سے پچھتر ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر
عنایت کی گئی اور جملہ امور ملکی کے معتمد المہام و مشیر قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ اس منصب عالی کے لئے
مولوی صاحب نے حکیم صاحب سے وہ کون ایسے الفاظ ہیں جو زبان سے نہ کہے تھے۔ جب
ہر طرح کے اختیارات حاصل ہوگئے تو مزاج بدل گیا اور دماغ میں بوئے نخوت سما گئی۔ انجام
یہ ہوا کہ جو لوگ ان کے محسن و ذیوقار تھے انھیں کے درپے آزار ہوگئے اور ان کی علیحدگی
کی تدبیریں کرنے لگے۔ دل میں یہ خیال سمایا کہ جو لوگ میری گزشتہ حالت دیکھ چکے ہیں
ان کے سامنے مجھے فروغ نہیں ہوسکتا چنانچہ بعض ایسے قدیم ملازموں کو ذرا ذرا سی بات پر
ملازمت سے برطرف کرا دیا حتیٰ کہ خود حکیم صاحب سے بھی کج ادائیاں کرنے لگے بیگم صاحبہ کے
خیالات کو حکیم صاحب کی طرف سے خراب کیا اور ان کے دل میں بٹھا دی کہ حکیم صاحب ولیعہد
نواب سلطان جہاں بیگم کے طرفداروں میں ہیں۔ حکیم صاحب کہتے تھے کہ اس نکاح کے تھوڑے
دنوں بعد میں ایک روز بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس روز رات بھر کا لگا بندا دن کا
ناچ ہوتا رہا تھا۔ لہذا بیگم صاحبہ دن چڑھے اٹھی تھیں اور اسی بنا پر سرکار عالیہ اور مولوی
صدیق حسن خاں میں سخت تکرار ہو رہی تھی میں نے رفع شر کرانا چاہا اس پر مولوی صدیق حسن خاں
نے لوگوں سے میری شکایت کی کہ حکیم صاحب میرے مقابلہ میں بیگم صاحبہ کی طرفداری کیا
کرتے ہیں۔ آخر حکیم صاحب کو ان امور کا احساس ہوا اور بعض برتاؤ میں فرق پایا
تو خود بھی کشیدہ خاطر ہوگئے۔ چنانچہ خود حکیم صاحب نے اس بارہ میں جو خط اپنے خسر

میر حبیب اللہ صاحب کو بھیجا تھا۔ اس کا مضمون یہ ہے۔

میں اس عرصہ میں بوجہ عدیم الفرصتی تحریر عرائض سے قاصر رہا اور یہ بھی نہیں لکھ سکتا کہ کتنے روز کے واسطے آنا ہوگا۔ بالفعل یہاں کچھ ایسے امور پیش ہیں کہ طبیعت چاہتی ہے استعفا دیدوں لیکن ابھی کوئی امر فیصل نہیں لکھ سکتا۔ تفصیل حال بروقت حضوری عرض کروں گا۔

اہل کمال کی طبیعت میں ہمیشہ استغنا کا مادّہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ حکیم صاحب کو مولوی صدیق حسن خاں صاحب کی یہ احسان فراموشی نہایت ناگوار گزری۔ چند سال نفس پر جبر کر کے نباہا۔ مگر کب تک چھ برس بعد عقد کے آخر ۱۴ رجمادی الاول ۱۲۹۲ہجری کو عاجز آکے استعفا دیدیا اور بھوپال سے مکان چلے آئے۔ سلف کا یہ قول کہ ؎

کس نیا موخت علم تیر از من | کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

تجربہ سے نہایت صحیح ثابت ہوتا ہے۔ وطن چلے آنے کے بعد بھی حکیم صاحب اور مولوی صدیق حسن خاں صاحب میں بظاہر مراسم رہے اور تہذیب سے خط و کتابت رہتی تھی۔ مگر دلوں میں فرق آگیا تھا۔ ایک بار اسی زمانہ میں حکیم صاحب نے لکھا تھا کہ مجھے روا روی میں یاد نہیں رہا۔ بلا اس سے علیحدگی اختیار کرتے وقت مجھے حسب قاعدہ ریاست سے کوئی کاغذ اپنی صفائی کا لینا چاہیے تھا جس کی نوبت نہیں آئی۔ اس تحریر پر ایک باضابطہ صافی نامہ جس پر ریاست کی مہر ہے مولوی صدیق حسن خاں نے تصدیق کر کے بھیجا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ:

حکیم صاحب بھوپال سے نہایت نیک نامی و صفائی کے ساتھ استعفا دے کر اپنے وطن کو چلے گئے ہیں۔ راقم نے وہ صافی نامہ دیکھا ہے۔ بلکہ دوبارہ ملازمت کے وقت حکیم صاحب نے وہ صافی نامہ قلمدان سے نکال کر مولوی علاء الدین صاحب کو دکھلایا بھی تھا۔ القصہ جب

مولوی صدیق حسن خاں کے دل آزار برتاؤ کی شکایت عام ہوگئی اور بہت سے لوگ اُن سے رنجیدہ ہوگئے تو ان کی اگلی مسرتیں بے مزہ ہوگیئں اور ان کی زندگی کے آخری ایام سخت تکلیف و رنج میں گزرے۔ سچ کہتے ہیں کہ دنیا دار المکافات ہے۔ اس لئے کہ سر لیپل گریفن صاحب ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا نے ان کے جہادی مضامین اور معاملات ریاست میں ان کی بے قاعدہ ملکی مداخلت کی رپورٹ کردی۔ ۱۷ محرم ۱۳۰۳ ہجری مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو وہ انتظام ملکی سے علیحدہ کردیئے گئے اور ان کا خطاب نواب والاجاہ امیر الملک ضبط کرلیا گیا۔ اور ۱۷ ضرب توپ کی سلامی بھی موقوف ہوگئی۔ ۱۶ فروری ۱۸۸۶ء کو کلکتے کے نواب عبد اللطیف خاں مدار المہام مقرر کرکے بھیجے گئے اور ان کے بعد یکم جولائی ۱۸۹۷ء کو کرنل وارڈ صاحب اور پھر ۲۷ دسمبر ۱۸۸۹ء کو منشی امتیاز علی صاحب کاکوروی مدار المہام مقرر ہوئے۔ مولوی صدیق حسن خاں دوسروں کی حکومت کو خاموشی بیٹھے آنکھوں سے دیکھتے تھے مگر دم نہ مار سکتے تھے۔ مولوی صاحب کے طرز عمل کی شکایت سارے ملک میں تھی۔ اخباروں نے آزادی کے ساتھ ان کے متعلق مضامین چھاپے۔ جو انھوں نے بچشم خود دیکھے۔ چنانچہ اودھ پنچ لکھنؤ نے بھی ایک مضمون اور معزول خطاب کی تاریخ طبع کرکے شائع کی۔ جس سے بیان مذکورۂ بالا کی تائید ہوتی ہے اور وہ تحریریں اس وقت راقم کے پیش نظر ہیں مگر اس خیال سے کہ آپ کے فرزند نواب صفی الدولہ حسام الملک سید علی حسن خاں صاحب بہادر سے جو ایک قدیمی اخلاق علم دوست بزرگ ہیں راقم کو نیاز حاصل ہے۔ جب وہ یہ اشعار و مضامین جو دم کا پہلو لئے ہوتے ہیں دیکھتے شکایت کرتے اور اس کے جواب میں احقر کو ندامت ہوتی اس لئے نہیں لکھے گئے۔

مجھے افسوس ہے کہ حکیم صاحب کو مولوی صدیق حسن خاں صاحب کے برتاؤ سے جو شکایت

پیدا ہوگئی تھی اس کا تذکرہ کرنا پڑا مگر میں مجبور تھا۔ مجھے حکیم صاحب کی علیحدگی کے وجوہ و اسباب بیان کرنا تھے اور چونکہ بھوپال سے چلے آنے کے باعث یہی واقعات تھے لہذا بغیر ان کی صراحت کیے اس واقعہ کا انکشاف دشوار تھا۔ اور مضائقہ نہیں ایک نے دوسرے کے ساتھ جو بھلائی برائی کی ناظرین کو اس کی اصلیت سے آگاہی ہو جائے گی۔ مولوی صدیق حسن خاں صاحب میں جو خوبیاں تھیں ان کے تسلیم کرنے میں بھی ہمیں عذر نہیں۔ لہذا لکھتے ہیں کہ آپ سید صحیح النسب ذی علم اور نہایت ذہین وطباع تھے زندگی کا حصہ علمی مشاغل یعنی کتب بینی و تصنیف و تالیف میں صرف ہوا۔ تصانیف میں بعض کتابیں دلچسپ و قابل قدر ہیں۔ ریاست کی طرف سے خانی کا خطاب بھی ملا تھا۔ آخر ۲۹ رجب ۱۳۰۷ ہجری کو ۵۹ برس کی عمر میں اس دار فانی سے انتقال کیا۔ غفور رحیم ان کی مغفرت فرمائے۔

ریاست نرسنگ گڑھ سے حکیم صاحب کے تعلقات

حکیم صاحب بھوپال سے استعفا دے کر جب وطن چلے آئے ہیں تو جا بجا اس کی شہرت ہوئی کہ جن حکیم صاحب کی بدولت مولوی صدیق حسن خاں کو عروج حاصل ہوا تھا وہ آنجہانی کی احسان فراموشی اور بے اعتنائی سے ترک ملازمت کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ حکیم صاحب کے معزز احباب نے سنا تو ان کے لئے جا بجا کوشش شروع کر دی۔ مولوی محمد شاہ صاحب نے نواب مختار الملک سر سالار جنگ سے حیدر آباد میں سلسلہ جنبانی کی۔ کانپور سے مولوی عبدالرحمن خاں صاحب نے مفتی محمد لطف اللہ صاحب ناظم دار الافتائے دکن کو لکھا۔ منشی امیر احمد صاحب مینائی نے نواب کلب علیخاں بہادر والی رام پور سے رجوع کیا اور ملا نواب صاحب مہاجر نے مکہ معظمہ سے مولوی ارشاد حسین صاحب کو لکھا کہ حکیم صاحب کے بارہ میں نواب صاحب رام پور سے تنہائی میں

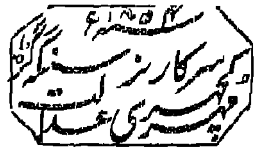
نہایت جد وجہد سے کہا جاتے۔ منشی عنایت حسین صاحب مہتمم ریاست نرسنگھ گڑھ نے مہاراجہ نرسنگھ گڑھ کو حکیم صاحب کے بلانے پر آمادہ کرکے متواتر خطوط بھجوائے بیشتر حکیم صاحب کو اسلامی ریاست نہ ہونے کے باعث وہاں جانے میں تامل تھا مگر مہاراجہ سری پرتاب سنگھ جی صاحب بہادر[1] ڈی سی ایل والی ریاست نرسنگھ گڑھ نے جو بڑے فیاض اور قدردان اہل کمال تھے چونکہ حکیم صاحب کی بہت سی خوبیاں سن چکے تھے بے حد اصرار کیا جب اس ریاست کی طرف سے خطوں کا تانتا بندھ گیا اور اکتالیس خطوط طلبی میں آ چکے سنہ ۱۲۹۷ ہجری میں حکیم صاحب شاہ آباد سے نرسنگھ گڑھ تشریف لے گئے جس وقت مہاراجہ صاحب نرسنگھ گڑھ کا سامنا ہوا تو راجہ صاحب نے فرمایا حکیم صاحب میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں اپنی عمر کا بڑا حصہ آپ نے بھوپال کی خیرخواہی میں گزارا مگر افسوس کہ صدیق حسن خاں کی وجہ سے وہاں آپ کی قدر نہ ہوئی۔ آپ کی حذاقت ولیاقت کی خاص وعام میں نہایت شہرت ہے جس کا تذکرہ میں بارہا سن چکا ہوں۔ غرض وہ اسی قسم کی توقیر وتکریم کی باتیں کرتے رہتے اور اپنی اس وضع کو آخر تک نباہ دیا۔ جب کبھی اپنے پاس بلاتے تو تعظیم کے لئے بالاخانہ سے نیچے اتر کر آتے اور ہر طرح حفظ مراتب کا خیال رکھتے۔ بمبئی وغیرہ کے سفروں میں حکیم صاحب نہایت عزت وآسائش کے ساتھ ہمراہ لے گئے۔ ریاست نرسنگھ گڑھ میں حکیم صاحب کی تنخواہ

---

[1] مہاراجہ پرتاب سنگھ بہادر کو سپہ گری کے فن سے کمال شوق تھا اور ملک داری وقوانین سے بھی وہ روشن خیالی سے بہرہ کافی رکھتے تھے۔ ابتداءً ان کے وقت میں ریاست کے ہر صیغہ میں نمایاں ترقی ہوئی اور سنہ ۱۸۸۷ء کے دربار قیصری میں نشان عطا کیا گیا۔ راجپوتانہ کے رئیسوں میں سب سے پہلے اُنھوں نے ولایت کا قصد کیا اور سنہ ۱۸۸۷ء میں ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی جوبلی کی تقریب میں باریابی حاصل کیا وہاں سے خطاب ڈی سی ایل مرحمت ہوا ۱۲
دیکھو صحیفہ زرّیں

علاوہ خوراک و سواری کے تین سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئی۔ حکیم صاحب کے ہمراہ آن کے رفقا و طلبا اور خدام کی بھی ایک جماعت موجود تھی۔ ان سب کی خوراک منجانب ریاست آتی۔ حکیم صاحب جب کبھی وطن وغیرہ سے نرسنگ گڑھ جاتے تو ریاست کی سرحد پر پہنچتے ہی میرا مراد علی کوتوال حسب الحکم راجہ صاحب حکیم صاحب کے استقبال کے لئے آجاتے دو ہاتھی ہمراہیوں کے لئے اور ایک پالکی و فنس خاص حکیم صاحب ہی کے واسطے ریاست سے بھیجی جاتی جو پروانہ تقرر حکیم صاحب کے نام منجانب ریاست آیا تھا اس کی نقل یہ ہے۔

نقل پروانہ مہاراجہ صاحب نرسنگہ گڑھ بنام حکیم صاحب



عوالی مرتبت شرافت پناہ حکیم فرزند علی مورد مراحم باشند

خط تمہارا مورخہ چہارم اکتوبر موسومہ منشی عنایت حسین مہتمم ریاست ہذا درباب عطائے دانہ للطلبہ و نیز اجازت طلب کرنے ملاقات نواب صاحب بہادر و مدارالمہام صاحب بہادر اپال واقع اثنائے راہ بلحاظ ملازمت قدیم موصول و ملاحظہ ہو کر آپ کو قلمی ہوتا ہے کہ حضور کی جانب سے ملاقات کی اجازت ہے مگر ایک روز سے زاید قیام نہ کیجئے اور منشی عزنے جو تحریر درباب طلب آپ کے کی ہیں بحکم حضور کی ہیں لہذا پروانہ ہذا حسب الاستدعا آپ کے بھیجا جاتا ہے حضور میں جلد آؤ اور تاریخ روانگی سے اطلاع دو کہ سواری بھیج دی جاوے اور پروانہ ہذا بسند اپنے پاس رکھو۔ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۸۰ء

دستخط مہاراجہ سبھاپرتاب سنگھ بہادر والی نرسنگ گڑھ

خط منشی عنایت حسین صاحب مہتمم ریاست نرسنگھ گڑھ دربارہ طلبی حکیم صاحب

مخدوم مکرم مظہر تفضلات اتم حکیم فرزند علی صاحب زاد عنایتہ

بعد سلام سنت الاسلام خلاصۂ مرام آنکہ حال تا تحریر بخیر۔ وخیر وعافیت مزاج شریف مطلوب
نوازش نامہ آپ کا مورخہ ۴ راکتوبر ۱۸۸۰ء نہم ماہ مذکور کو آیا جناب راجہ صاحب بہادر کو
بحرف سنا دیا۔ مگر اتفاق سے اسی روز خاکسار بعارضہ تپ ولرزہ مبتلا ہو گیا۔ تین مسہل ہو
رہے للعہ ۱۴ قطعے خط بحکم راجہ صاحب بہادر آپکے طلب میں ارسال کئے اور آپ
تشریف آوری کا وعدہ فرماتے ہیں مگر ہنوز بدستور اول ہے۔ راجہ صاحب بہادر کی طبیعت
علیل ہے روزمرہ آپ کا انتظار کیا جاتا ہے اور توقف آپ کا باعث خفت خاکسار ہے
راجہ صاحب بہادر نے ارشاد فرمایا کہ شاید حکیم صاحب میری تحریر کا انتظار کرتے ہونگے
باعث سے آنے میں توقف کرتے ہیں سو آن کی طلب میں پروانہ بھیجو۔ چنانچہ حسب
حضور سرکار کا پروانہ دستخطی آپکے نزدیک بھیجا جاتا ہے۔ آپ باطمینان کامل تشریف لا
سرکار ہمارے فارسی مطلق نہیں جانتے اس واسطے ہندی میں دستخط ہیں اور یہاں
ہندی کی زیادہ ہے اور مبلغ تین سو روپیہ آپکے نزدیک بھیجتے ہیں اور سرکار نے ارشاد
کہ جو کچھ زیادہ صرف پڑے گا وہ آپ کو دیا جائے گا اور روز روانگی سے تین سو روپے
سوائے خوراک ماہوار منظور فرمائی اور سواری ومکان وغیرہ سب سرکار سے ملے گا
وقت تشریف آوری یہاں کے درباب انعام غسل صحت وغیرہ بالمواجہ آپ خود ملا
اور تشریف آوری میں آپ ہرگز ہرگز توقف نہ فرمائیے تھوڑی تحریر کو بہت تصور فرما
والسلام۔ مورخہ ۱۹ راکتوبر ۱۸۸۰ء راقم نیاز خاکسار محمد عنایت حسین مہتمم ریاست نرسنگھ

حکیم صاحب نے نرسنگھ گڑھ پہنچکر راجہ صاحب کا جو علاج کیا وہ ان کے فراج کے نہایت
موافق آیا اور بہت ہی مفید ثابت ہوا اس وجہ سے راجہ صاحب حکیم صاحب کے بڑے معتقد
ہو گئے اور بے حد اخلاق کے ساتھ پیش آتے رہے۔ حکیم صاحب کا جو معزز مہمان نرسنگ گڑھ جاتا
ن کو وہ فٹن پر سوار کرا کے بنا بر سیر لے جاتے اور اپنے بھائی بندوں میں تعارف کراتے
بس وقت راجہ صاحب ریاست راج گڑھ تشریف لے گئے تو راجہ صاحب والی راج گڑھ
ے جو اُن کے یک جدی بھائی تھے حکیم صاحب کو بلوایا اور وہ بھی کمال اعزاز سے پیش آئے
لج گڑھ کے فرمانروا راجہ موتی سنگھ مسلمان ہو گئے تھے اور ان کا نام نواب محمد عبداللہ مع
ں قرار پایا تھا۔ راجہ صاحب کے پوتے میاں شمس الدین عرف بنے صاحب جو بعد کو وہاں کے
ہاں روا ہوئے۔ انھوں نے از راہِ عزت افزائی حکیم صاحب کے ساتھ بیٹھکر کھانا کھایا۔

اگرچہ حکیم صاحب نرسنگھ گڑھ میں بصیغۂ طبابت ملازم تھے مگر درحقیقت نیابت کرتے
تھے۔ معاملات ریاست میں اکثر مشورہ دیا کرتے وہاں کی انتظامی خرابیوں پر نہایت آزادی
ے راجہ صاحب کو توجہ دلاتے۔ راجہ صاحب میں سب خوبیاں تھیں مگر ایک عیب تھا تو یہ کہ
راب کے عادی ہو گئے تھے اور اس کے نتیجہ میں ہر قسم کی خرابیاں پیدا ہو چلی تھیں۔ حکیم صاحب نے
جہ صاحب کو اکثر زبانی سمجھایا اور ترک شراب پر مجبور کیا۔ انھوں نے وعدہ بھی کیا مگر اپنا
دت سے ناچار تھے آخر جب حکیم صاحب نے دیکھا کہ ان کی یہ عادت نہیں چھوٹ سکتی اور
است کا کام خود نہیں کر سکتے تو خیال کیا کہ کوئی متدین نائب و منتظم مقرر ہو تا کہ ریاست کو
رقی ہو۔ اس بارہ میں جب حکیم صاحب نے زور دیا تو راجہ صاحب نے منظور کر لیا اور حکیم صاحب خود
جہ صاحب کو پولیٹیکل ایجنٹ بہادر کے پاس جو حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی منشی میر اولاد علی صاحب
ونیسر ٹرنٹی کالج ڈبلن کے شاگرد تھے لے گئے اور ضلع سیہور میں ایجنٹ صاحب سے

ایک نائب کی درخواست کرائی جس کو صاحب موصوف نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد جب کاردار
کے آنے میں دیر ہوئی تو راجہ صاحب نے حکیم صاحب کے نام اس بارہ میں ایک باضابطہ پروانہ
تاکہ وہ باقاعدہ محکمہ اجنٹی میں کوشش کر سکیں اس پروانے کی نقل درج ذیل ہے۔

پروانہ مہاراجہ صاحب بہادر نرسنگھ گڑھ بنام حکیم صاحب

رفعت و معالی مرتبت حکیم ... بعالی باشند

چونکہ اس جانب نے بمقام چھاونی سیہور دربار طلب کیے جانے کا مدار ریاست کے ...
میں صاحب بہادر کلاں کے زبانی گفتگو کی ہے چونکہ کاردار ... تک نہیں آیا اس واسطے
لکھا جاتا ہے کہ جو کاردار معتبر کے آنے میں توقف ہو تو تم بذریعہ صاحب بہادر کلاں کے دربار
حقیقت حال زبانی گزارش کرو۔ جو ارشاد صاحب بہادر کا ہو اس سے جلد ہمیں مطلع
چاہیے کیونکہ صاحب بہادر مہربان اور خود ریاست کے دوستدار ہیں۔ یقین ہے کہ تمہاری گزارش
بخوبی خیال حضور فرما کر وہ حکم مناسب نافذ کریں اور اس پر جانا ... بہر حال خوشنودی
صاحب کی پیش نہاد خاطر ہے فقط تحریر کیا ... ۵ تاریخ ۶ ماہ اکتوبر ۱۹... ... عیسوی

دستخط ... مہاراجہ صاحب والی نرسنگھ گڑھ

جب یہ پروانہ حکیم صاحب ... صاحب ... ہو ... صاحب پولیٹکل ایجنٹ
زبانی کہا اور انگریزی میں ... ایک لکھا کر ایک درخواست پیش کی جس کے
صاحب موصوف نے زبانی گفتگو بھی ... اور باقاعدہ ... کا جواب بھی تحریر
صاحب موصوف برادر حکیم صاحب کے شاگرد ہونے سے حکیم صاحب کا بہت ... لحاظ کرتے
بغرض ملاحظہ ناظرین اور نفس واقعہ کے ثبوت کے لئے اس چٹھی کی نقل پیش کی جاتی ہے

ترجمہ چٹھی صاحب پولٹیکل ایجنٹ بہادر بنام حکیم صاحب

مائی ڈیر حکیم سید فرزند علی صاحب - آپ کا خط اور اس کا ترجمہ پاکر میں بہت
شکرگزار ہوا۔ راجہ صاحب نے یہ بہت ہی اچھا کیا اور نہایت عزت کے ساتھ پیش آئے کہ
مجکو پہلے کوئی تحریر نہ بھیجی بلکہ وہ خود میرے پاس آئے اور میری معرفت ایک اچھا کامدار
مانگا میں نے اسی وقت نواب ایجنٹ گورنر جنرل کو لکھدیا تھا اور وہ ایک لائق شخص کی
تلاش میں ہیں کارگزار آدمی جس کی ضرورت ہے مشکل سے ملتا ہے۔ شاید راجہ صاحب کا خیال
ہے کہ ہوشیار و قابل و ایماندار شخص اس طرح ملتے ہیں جیسے سڑک پر کنکر پتھر وہ بھول میں ہیں
اس طرح کے آدمی کمیاب ہوتے ہیں ان کے ملنے کے واسطے مہلت درکار ہوتی ہے اگر
ہم نے ناآزمودہ آدمی کو پسند کرکے بھیجدیا اور وہ خراب نکلا تو راجہ صاحب کے لئے باعث
اطمینان نہ ہوگا ان کو چاہیئے کہ ذرا صبر کریں۔ چونکہ اُنھوں نے امداد چاہی ہے تو جب تک
ہم سے گفتگو نہ ہو ٹھیرے رہیں۔ راجہ صاحب کو مناسب ہے کہ وہ ہر شخص سے کہدیں کہ ہم
اس کے منتظر ہیں کہ رزیڈنٹ صاحب بہادر سے صاحب پولٹیکل ایجنٹ بہادر ملیں اور جب تک
ہم بڑے صاحب سے سرکاری طور پر یا تخلیہ میں کچھ کہہ سن نہ لیں اُس وقت تک کچھ انتظام
نہیں ہو سکتا۔ بالفعل اُنھیں سب سے یہ ظاہر کرنا چاہیئے کہ اب یہ معاملہ ہمارے ہاتھ سے باہر
ہوگیا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ بعد دسہرہ کے جب راجہ صاحب یہاں آئینگے تو اُس وقت ہم
ان کو کچھ ہدایت کرینگے اور جو ہم نے تحقیق کیا ہے اُس سے ان کو اطلاع دینگے فی الحال
کارروائی جاری رکھی جائے۔ ہم آپ کے آقا یعنی راجہ صاحب سے محبت رکھتے ہیں اور
ان کی ذاتی عزت کرتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ ایک اچھے اور سیدھے اور صاف

دل سے رئیس ہیں۔ وہ ایک ایسا لائق شخص اپنی مدد کے واسطے چاہتے ہیں جس سے انھیں تجربہ حاصل ہو اور خود عمدہ منتظم کارگزار ہوجائیں۔ آپ اپنے راجہ صاحب سے یہ بھی کہدیجئے کہ ہم ان کے اس بات پر شکرگزار ہیں کہ وہ ہم پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ہم حتی الامکان ان کے اور نیز ان کے خاندان اور ان کی ریاست کے لئے بہت اچھا سلوک کرینگے۔ آپ کو مناسب ہے کہ جلد نرسنگ گڑھ واپس جاکر یہ سب حال راجہ صاحب پر ظاہر کر دیجئے اور بعد دسہرہ کے اُن کو اپنے ہمراہ یہاں لایئے سردست ہم کسی طرح کی مداخلت مناسب نہیں سمجھتے صاحبان پولٹیکل ایجنٹ صرف صلاح دیا کرتے ہیں اور جب تک پوری پوری ضرورت نہ پیش آئے مداخلت نہیں کرتے وہ ہمیشہ تمام سازشوں سے علیحدہ رہتے ہیں۔ فقط۔

آپ کا سچا دوست ولیم کنکیڈ ۱۸ ؍ اکتوبر ۱۸۸۳ء مقام سیہور

اس کے بعد حکیم صاحب اجنٹی سیہور سے نرسنگ گڑھ واپس گئے اور صاحب پولٹیکل کا منشا زبانی ظاہر کرکے وہ چٹھی راجہ صاحب کو دکھلا دی۔ یوں ہی وہ ہمیشہ خیرخواہی سے راجہ صاحب کو نیک صلاحیں زبانی و تحریری دیتے رہے اور باوجود ان کی غفلت کے جہاں تک بنا صاحب پولٹیکل ایجنٹ کو بھی راضی رکھا۔ راجہ صاحب کو اسی غفلت پر حکیم صاحب نے جو تحریری مضمون ان کو بھیجا تھا اُس کی نقل یہاں پر درج کی جاتی ہے۔

مہاراجہ صاحب نرسنگ گڑھ کو حکیم صاحب کی تحریری صلاح دہی

جس شخص کا نمک کھاتے اس کی خیرخواہی فرض ہی میں جو کہ سرکار کے ہزاروں لاکھوں روپیہ کا نقصان دیکھتا ہوں۔ اگرچہ مجکو اُس سے کچھ تعلق نہیں مگر میری سرشت ایسی واقع ہوئی ہے کہ کسی کا خصوصاً اپنے سردار کا نہ نقصان دیکھا جاسکتا ہے نہ اس کی بدنامی کر

برداشت کرسکتا ہوں۔ اور کچھ ممکن نہیں تو اس قدر ضرور ہی کہ سرکار کو اس کی اطلاع کردوں
پہلے بھی چند بار شراب کی مضرتوں کے سلسلہ میں کچھ کچھ حال گزارش کرچکا ہوں۔ اس وقت
جس قدر یاد آتا ہی ہزاروں حصہ سے ایک حصہ تحریر کرتا ہوں۔ سرکار ذرا غور سے سن لیں
ظاہر ہی کہ قدیم زمانہ میں بڑی بڑی ریاستیں غفلت سے برباد ہوچکیں جن کا نام ونشان
بھی باقی نہیں ہے۔ تواریخ کی کتابیں ان حالات سے بھری پڑی ہیں۔ جن ریاستوں کے
دیکھنے والے موجود ہیں آن کو خیال فرمایئے کہ غفلت سے وہ کیسی تباہ ہوئیں۔ سلطنت دہلی
جس کے زیر فرمان تمام ہندوستان مع افغانستان تھا اور غلبہ وشوکت اور جس قدر فوج
خزانہ اور جواہرات وساماں موجود تھا مشہور ہی وہ ایسی برباد ہوئی کہ شاہزادہ جوان بخت
اور بہادر شاہ اخیر بادشاہ دہلی رنگون میں پڑے ہیں اور ایک ایک پیسہ کو محتاج ہیں۔
لکھنؤ کا حال تو سرکار کو بھی معلوم ہی کہ بوجہ اسی غفلت کے ملک چھن گیا۔ واجد علی شاہ
مثل قیدیوں کے کلکتہ میں پڑے ہیں کسی بات کا اختیار نہیں رہا اور چھوٹی ریاستوں کا
حال تو آپ کے گھر میں گزرچکا ہی کہ جب نواب صاحب راجگڑھ کی بسبب غفلت کے سپرنڈنٹی
ہوگئی تو وہ ایک پولہ گھاس کا بھی بغیر اجازت سپرنڈنٹ کے ریاست سے نہیں لے سکتے
تھے۔ جب تک سپرنڈنٹی رہی گویا غیر کی ریاست تھی جب کسی ریاست میں غفلت ہو طرح طرح
کے ظلم اور بے انتظامیاں ہونے لگیں اور رعایا کو تکلیف پہنچے تو حاکم وقت پر لازم ہوجاتا
ہی کہ اس کا انتظام اپنے ذمہ لے اور رئیس غافل کو بے دخل کردے۔ آپ ذرا متوجہ ہوکر
اپنی ریاست کا حال بچشم انصاف ملاحظہ فرمایئں کہ کیا ہورہا ہی۔ خزانہ خالی روپیہ تحصیل کا
نہیں آتا خود آپکے کھانے اور پان کا انتظام نہیں۔ سامان بجوئی دیاجاتا ہی مگر جن لوگوں کے
واسطے دیا جاتا ہے آن کو چوتھائی بھی نہیں ملتا اور جس قدر ملتا ہی وہ بھی خراب۔ کپڑے کا

بھی یہی حال ہی زیورات و جواہرات خیانت کرکے بدل ڈالے سرکار کو اس کی اطلاع بھی ہوئی
مگر کچھ تدارک نہ ہوا۔ جواہرات و زیورات کا چہرہ اور تپا اور لکھاوٹ بھی دفتر میں نہیں موجود
جیسا کہ اور ریاستوں میں دستور ہی کہ بے تکلف تحقیقات ہو سکے ملازم خیرخواہ و بدخواہ دیانتدار
اور خیانت کار اور کارگزار و ناکردہ کار سب برابر ہیں کسی میں امتیاز نہیں رعایا تباہ ہوتی جاتی
ہی۔ چوریاں ہوتی ہیں۔ ڈاکے پڑتے ہیں لوگ لوٹے جاتے ہیں مارے جاتے ہیں فریادی
مقدمہ والے مہینوں برسوں مارے مارے پھرتے ہیں۔ بہت سے لوگ اسی آرزو میں
مر گئے مگر آپ کو خبر نہیں ہوتی بندوبست کون کرے۔ جن لوگوں کا سرکار میں کچھ مال خرید لیا گیا
ہی سالہا سال سے پھرتے ہیں کوئی نہیں پوچھتا تم کون ہو سرکاری لاکھوں روپیہ لوگوں پر
قابل وصول ہی کاغذات اس کے کیڑے کھائے جاتے ہیں مگر پروا نہیں ہوتی۔ نہ کوئی سرکاری
حکم کو مانتا ہی نہ کسی کو کچھ آپ کا خوف ہی۔ ہر شخص اپنے آپ کو حاکم جانتا ہی۔ جانوروں کا جو کچھ
سرکار سے مقرر ہی اس قدر ان کو نہیں ملتا بعضوں کو تو صرف گھاس بھی نہیں ملتی بھوکے مرتے
ہیں۔ ذرا باغات کے بیلوں کو تو ملاحظہ فرمائیے کہ کیا حال ہے۔ جانوروں کے باندھنے کو
نہ رسیاں ہیں نہ رہنے کو مکان نہ نعل بندی نہ سُم تراشی کا بندوبست ہی پانی بھی وقت پر
پورا نہیں ملتا۔ جو سامان گھوڑوں اور ہاتھیوں کا سال بسال تیار ہوتا ہی۔ ضرورت کے وقت
اُس کا بھی پتا نہیں لگتا۔ جو چھٹیاں خوراک وغیرہ کی ہوتی ہیں اُن کا پورا سامان کبھی کسی کو
نہیں ملتا اور جس قدر ملتا ہی نہایت خراب اکثر قابل کھانے کے نہیں ہوتا اور سرکار سے
پورا مجرا لیا جاتا ہی اور قیمت پوری اچھی چیز کی لی جاتی ہی۔ پہرے والے جن کے متعلق سرکار
کی حفاظت جان و مال ہی وہ ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کی چوریاں کرتے ہیں گشت والے جو
رعایا کے واسطے مقرر ہیں خود چوریاں کرتے اور کراتے ہیں مسافر اور غریبوں کو تنگ

کرکے جس کسی سے کچھ ملتا ہی بجبر لے لیتے ہیں۔ تین روپیہ کا سپاہی بجائے خود حاکم اور رئیس شہر کچہ
کوٹھی اور کبھی تھانہ کی تعمیر جس میں ہزارہا روپیہ ماہوار خرچ ہوتا ہی اور سرکار بذات خاص اُس کی
طرف بہت متوجہ ہیں اور اکثر ملاحظہ فرماتے ہیں اور کئی اشخاص اس کے مہتمم اور دیکھنے والے
بھی ہیں مگر حالت یہ ہے کہ سرے سے اُس کی بنیاد نہایت ہی کمزور ڈالی گئی اور آتا رہبت کم
ہے اس پر لاکھوں من کا بوجھ لداؤ کا لاد اگیا بنیاد اس کی ہرگز قابل اس لداؤ کے نہ تھی پھر
طرہ یہ کہ چونہ نہایت ہی خراب راکھ ملاہوا لیا جاتا ہی۔ بجائے تین روز کے ایک دن میں گٹھ
تیار ہوتا ہی۔ بوجہ موٹا ہونے کے اینٹیں آپس میں خوب وصل نہیں ہوتیں۔ ایسی ڈاٹ کے
ٹھہرنے کا اعتبار نہیں گرجانے کا نہایت ہی خوف ہی۔ اینٹیں نہایت خام اور کمزور دیتلی ہوتی ہیں
مزدوروں کو اجرت اور چونا پتھر والوں کو روپیہ وقت پر نہیں ملتا۔ اس سے بہت خرابیاں
ہوتی ہیں۔ عملہ کا عجیب حال ہے ہر شخص خود مختار رہے۔ جب ایک ہی شخص خریدنے والا اور
فیصلہ قیمت کرنے والا اور چٹھی کرنے والا اور قیمت دینے والا اور خرچ کرنے والا اور باقی
رکھنے والا ہو تو پھر اُس کا حال کیوں کر کھل سکے۔ جب خود عملے والے بٹوارہ اور مستاجری
کرنے لگیں تو سرکاری جمع میں کیسے اضافہ ہو اور خورد برد بند ہوسکے۔ بھوپال اور راجگڑھ
کی ریاستیں خوش انتظامی سے کس قدر بڑھ گئیں یہاں روز بروز جمع کی کمی ہوتی جاتی ہے
کھنجر وغیرہ میں ہزارہا روپیہ موافق جمع قدیم کے قابل وصول ہیں اور کئی سال وصول بھی ہوئے
پھر اب چھوڑ دیئے گئے کوئی نہیں پوچھتا۔ پوری جمع بعض گاؤں کی اُڑالی گئی اور سرکار کو
اس کی اطلاع بھی ہوئی مگر کچھ تدارک نہ ہوسکا۔ آپس میں سب لوگ متفق ہوکر خوب ہاتھ مارتے
ہیں۔ ایک دوسرے کی عیب پوشی کرتا ہی۔ اپنے مطلب کے موافق جو چاہتے ہیں سرکار سے
بحکمت عملی منظور کرا لیتے ہیں اور جن لوگوں میں آپس میں کچھ خلاف و نفاق ہوتا ہی وہ

ضد سے سرکاری کام کو بگاڑتے ہیں کوئی یہ نہیں خیال کرتا کہ آپس کی عداوت سے سرکاری کام
بگڑا جاتا ہے۔ سرکار کی خیر خواہی اور نفع کا کسی کو لحاظ نہیں۔ ابھی چند روز ہوئے ایک
سرکاری گھوڑا اور ایک اونٹ بیمار ہو کر مر گیا انہیں دو چار آنہ کی دوا نہ نصیب ہوئی۔
سرکار کے مزاج میں کمال حلم اور مروت ہے اگر اتفاقاً کوئی مقدمہ کسی کی نمک حرامی اور
تغلب اور خیانت کا سرکار کے کانوں تک پہنچ بھی جاتا ہے تو اس کی غیبت میں زبانی اسی وقت
غصہ کر لیتے ہیں اور کچھ تدارک نہیں ہوتا وہی شخص بعد چندے پھر اپنے کام پر بحال ہو جاتا ہے
ان کارروائیوں کے باعث کسی کے دل میں سرکار کا خوف نہیں رہا ہے خوف اپنا کام
کرتے ہیں اگر اتفاقاً کوئی شخص نیا خیر خواہ منتظم سرکار میں آجاتا ہے اور انتظام کرنا چاہتا ہے
تو سب متفق ہو کر یہاں اور ایجنسی سے تدبیریں کر کے اس کو نکلوا دیتے ہیں۔ ٹھہرنے نہیں دیتے
ادنیٰ ادنیٰ شخص ایجنسی میں جھوٹی نالشیں دائر کر کے اور سرکار پر زور ڈال کر اپنا مطلب
نکال لیتے ہیں اور حقیقت حال مقدمہ کو ایجنٹ صاحب بہادر کی خدمت میں سرکار کی طرف
سے پہنچنے نہیں دیتے۔ سرکار کا نالشی ایجنسی میں جاتا ہے اس کو جاتے قیام اور خوراک دولت کا
سے ملتی ہے سرکار پر نالش کرنے کی عرضیوں کے مسودے اُسے لکھے لکھائے ملتے ہیں کسی
لکھنے والے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ صاحب بہادر کی بگھی کے آگے لوٹ جانے اور
غل مچانے کی تدبیریں بھی اُس کو خوب سمجھا دی جاتی ہیں۔ درحقیقت یہ سب خرابیاں آپ ہی
کی غفلت سے ہیں کہ آپ کا دل کبوتروں اور جانوروں اور چوسر وغیرہ کھیلوں میں اور ہنسی
دل لگی اور سیر و شکار میں تو پہروں لگتا ہے مگر ریاست کے کام میں ایک دم بھی نہیں لگتا۔ کام کے
نام سے وحشت ہوتی ہے۔ تدبیریں اور حیلے ریاست کے کام کے ٹالنے کے نکال کر ہر روز اس کو
کل پر ٹال دیتے ہیں اور اس آج کل پر ٹالنے سے ہزاروں لاکھوں روپیہ کا سرکار کا اور

لوگوں کا نقصان ہوتا ہے اور سرکار نہ خود کام ریاست کا دیکھتے ہیں اور نہ کسی شخص ہوشیار و
کارگزار و دیانت دار کے کہ جس پر سرکار کا اعتبار ہو کام ریاست کا تعلق کرتے ہیں۔ پھر کیونکر
کام چلے۔ اب نتیجہ اس غفلت کا جس کا خدانخواستہ خوف جلد ظاہر ہونے کا ہی اور حق تعالیٰ
سے یہ دعا ہی کہ وہ مقلب القلوب آپکے دل کو واہیات بیہودہ کاموں سے پھیر دے اور ریاست
کے کام پر رجوع کرے۔ اگر خدانخواستہ یہی حالت رہی اور باوصف ایسے ایسے صاف صاف
عرض کرنے کے بھی آپ کو اس غفلت سے ہوشیاری نہ ہوئی تو بے شک آپ کی ریاست
سپرنٹنڈنٹی ہو جائیگی اور تنخواہ آپ کی بقدر ضرورت مقرر کردی جائیگی پھر ایک پیسہ کا بھی آپ کو
ریاست میں اختیار نہ رہے گا اور تمام جہان میں آپ کی بدنامی ہوگی اور سب مصاحب اور
متوسل آپکے جدا کردیئے جائینگے اور آپکے پاس نہ آنے پائینگے۔ اور وہ خود بھی بوجہ بے اختیاری
آپ کے نزدیک نہ آئینگے نہ اس قدر بگھیاں اور گھوڑے اور جانور رکھنے کی گنجائش ہوگی اور
نہ راڑہی اور جنگل کی یہ حفاظت رہیگی۔ آپکے دشمن بدخواہ جو اب دوست معلوم ہوتے ہیں
اور آپ کو زیادہ غفلت میں ڈال دیتے ہیں وہ ہی خوش ہوکر آپ پر طعنے تشنیع کریں گے
اور خیرخواہ دوست جن کا اب بھی دل جل رہا ہی تباہ ہوکر اور زیادہ رنج و غم میں مبتلا ہونگے
کسی کا کچھ نہ بگڑے گا آپ ہی کا نقصان ہوگا۔ ابھی ان خرابیوں کی اصلاح ہوسکتی ہی اگر آپ کو
منظور ہو اور آپ مستعد ہو جائیں تو تدارک اس کا آسان ہی۔ پھر چند روز میں کوئی تدبیر
نہ ہوسکے گی۔ صورت اصلاح یہ ہی کہ آپ سے شراب چھوڑ دینے کی بالکل توقع نہیں رہی۔ یہی
شراب ان سب خرابیوں کی جڑ ہی اور تمام نقصانات دینی و دنیوی و جانی و مالی اس سے پیدا
ہوتے ہیں نہ آپ سے یہ ہوسکے گا کہ تھوڑی مقدار میں پئیں تاکہ بڑے بڑے نقصان نہ ہوں
لہذا اب آپ یہ تدبیر کریں کہ اپنی طرف سے کوئی کامدار ہوشیار دیانت دار مستعد دیانتدار

رعب والا خوب سوچ سمجھکر مقرر کردیں اور ایجنٹ صاحب بہادر کو بھی اس کی اطلاع کردیں اور
اس کو پورے پورے اختیارات دیں کہ وہ سب خرابیوں کی اصلاح و انتظام باختیار خود
کرسکے اور چند روز تک آپ کسی کا شکوہ و شکایت اس کے خلاف بلاتحقیق و ثبوت کے
نہ سنیں اور جس کام میں آپ کو شک ہو اس کو پہلے خود اسی سے تحقیق و دریافت کرلیں۔
دوسری صورت یہ ہے کہ چند معتبر پنچ مقرر کرکے انتظام ریاست ان کے سپرد کردیں اور
اس کی اطلاع بھی ایجنٹ صاحب بہادر کو کردیں۔ تیسری یہ ہے کہ ایجنٹ صاحب بہادر ہی
سے درخواست کرکے مثل ریاست مقصود گڑھ کے آپ ایک متدین و کارگزار طلب فرماکر
مقرر کردیں مگر یہ صورت آخر اول دونوں صورتوں سے ناقص ہے مگر سپرنٹنڈنٹ کے
مقرر ہونے سے بہ نسبت اچھی ہے۔ ان صورتوں سے جو منظور ہو [illegible] اختیار ہے
دریافت فرماکر کارروائی کریں اور ابھی اس کو کسی پر ظاہر نہ کریں ورنہ بہت خرابیاں
پڑجائینگی اور کچھ نہ ہوسکے گا۔ اگر جلد ان صورتوں سے کچھ کرنا منظور ہو تو بہتا ورنہ راقم
کو بھی رخصت فرمادیں کہ خدانخواستہ جو کچھ خرابی واقع ہوگی اس میں آپکے سب صاحب اور
معزز ملازم بدنام ہونگے کہ سب نالائق تھے کہ رئیس کو خوشامد سے غفلت میں رکھا اور آگاہ
نہ کیا اور اپنے فائدہ کے لئے ریاست کو تباہ کیا یہ بدنامی مجکو منظور نہیں۔ دیگر عرض یہ ہے کہ
ابھی اخبار میں کچھ حال ریاست بجاول پور چھپ کر آیا ہے وہ بعینہ مطابق حال ریاست
نرسنگ گڑھ کے ہی اس کو بھی سرکار ضرور بغور سن لیں اور اسپیچ رزیڈنٹ صاحب بہادر کی
جو بوقت رخصت صاحب مختشم الیہ نے دربار میں پڑھی تھی اس کو بھی سماعت فرمادیں۔"
ہم ہمیشہ سے ازراہ دوراندیشی و دل سوزی تاامکان راجہ صاحب کی فہمائش اور
ریاست کی بہبودی کے متعلق یہ تدبیریں کہ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھی مگر راجہ صاحب بادہ عیش

میں ایسے سرشار ہوئے کہ معاملات ملکی سے بالکل غافل ہو گئے۔ ہزار جگاؤ نہ جونکے۔ کثرت نشہ سے ریاست پر عام غفلت چھائی ہوئی تھی اور روز بروز خرابیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ اگرچہ حکیم صاحب کے حسب صلاح ایک نائب ریاست بطور خود راجہ صاحب نے مقرر کیا مگر اپنی وہی حالت رہی اور جب تک خود رئیس بذات خاص بیداری نہ اختیار کرے یا کسی لائق دیانت دار منتظم شخص کو اپنی طرف سے مختار مطلق نہ کر دے کام نہیں چل سکتا۔ جب بدنظمی اور خلل کی خبر حکام کو پہنچی تو انھوں نے ریاست میں سپرنٹنڈنٹ مقرر کرنے کی تجویز ظاہر کی۔ مگر حکیم صاحب نے سیہور جا کر اجنٹ صاحب بہادر کو حسن تقریر سے راضی کیا اور راجہ صاحب کی طرف سے اطمینان دلایا چنانچہ وہ کارروائی چندے رک گئی۔ مگر وہاں کی لاعلاج غفلت سے مایوس ہو کر اپنی علٰحدگی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس دوران میں روز بروز بدنظمی کی تاریکی بڑھنے لگی اور اس مصرع کے مصداق سے

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کل یوم بتر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے قائم ہو گیا حکیم صاحب نے وہاں کی کیفیت اپنے بعض خطوط میں جو میر حبیب اللہ صاحب کو بھیجے تھے لکھی ہے وہ حکیم صاحب کے دستخطی خطوط ہمارے پیش نظر ہیں۔

نقل خط حکیم صاحب متعلق حالات ریاست نرسنگ گڑھ بنام میر حبیب اللہ صاحب

جناب برادر صاحب مخدوم و مطاع فدویان دام مجدکم۔ بعد تسلیمات و آرزوے حضوری عرض ہے چند قطعات نوازش نامجات شرف ورود لائے باعث سرفرازی ہوئے۔ احقر بضرورت سرکار سیہور گیا تھا۔ ۷ ذی الحجہ کو بعد پندرہ یوم کے میں واپس آ گیا۔ یہاں کی ابتری روز افزوں ہے۔ کئی روز ہوئے میں نے ایک مسودہ استعفے کا لکھا منشی جواہر لال صاحب نا

کو دیا ہے کہ سرکار کو سنا دیں۔ اس کا کچھ حال زبانی سرکار سے بیان بھی ہو چکا مگر ابھی تک اب
استعفے کے پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ روانگی کا مصمم ارادہ ہے۔ استعفا نہ منظور ہوا تو
رخصت ہی مل جائے گی مگر وقت روانگی ابھی مقرر نہیں ہو سکتا۔ قصد تو یہ ہے کہ ماہ ذی الحجہ
یا اول محرم الحرام میں روانہ ہوں۔ سرکار کا قصد پھر سیہور جانے کا ہے عجب نہیں کہ کہیں کم
سیہور سے چلے جانا۔ مجھے روانگی کی نہایت عجلت ہے۔ مگر مشیت الٰہیہ کا حال معلوم نہیں۔
آج کہ یوم چہار شنبہ تھا راجہ صاحب کو جاڑے سے بخار آ گیا ورنہ قصد تھا کہ امروز فردا میں
اجازت روانگی حاصل کر کے بعد عاشورا تاریخ روانگی مقرر کر دیتا اب جس وقت حق تعالیٰ کو منظور
ہے صورت روانگی ہو گی۔ یہاں آج کل جدید انتظام ہوا ہے۔ راجہ صاحب نے ایجنٹ صاحب بہادر
سے مخفی ایک اہلکار طلب کیا تھا چنانچہ ایک صاحب مولوی کرامت حسین[1] صاحب امامیہ
مذہب ساکن کنتور۔ علاقہ نواب گنج بارہ بنکی مقرر کئے گئے دو سو روپیہ تنخواہ ہوئی آدمی
ہوشیار و کارگزار ہیں۔ انتظام جدید بطریق انگریزی شروع کیا ہے۔ غرۂ محرم الحرام سے
دیوانی ریاست یعنی نیابت کا کام ہاتھ میں لے لیا ہے۔ راجہ صاحب نے اپنے سر کا بوجھ ٹالا
دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے۔ ابھی تو راجہ صاحب بہادر کی مرضی کے مطابق کام ہوتا ہے۔ میں نے
بوجوہ چند عرصہ یک ماہ سے استعفا دیدیا ہے مگر راجہ صاحب بہادر اس کو ٹالتے ہیں۔ مضمون

---

[1] مولوی صاحب ممدوح کی ملازمت کا یہ ابتدائی زمانہ ہے آپ اپنی قابلیت و کارگزاری سے ترقی کر کے ہائیکورٹ کی ججی پر فائز ہوئے اور جب اس جلیل القدر منصب سے ریٹائر ہوئے تو بیرسٹری اختیار کی اور لکھنؤ میں بمقام قیصر باغ ایک مدرسہ نسواں جاری کیا تعلیم وغیرہ کی نگرانی بڑی سرگرمی سے اپنے ذمہ لی باوجود خوش اخلاقی و قومی کاموں میں حصہ لینے کے ملک پر شہرت نا موری حاصل کی افسوس صد حیف کہ ۱۹ اپریل ۱۹۱۷ء بروز پنجشنبہ کو دار فانی سے رحلت کر گئے ملک ایک قابل ہوش مند ...

اُس کا لوگوں کی زبانی سُن لیا مگر پڑھوا کر نہیں سُنا۔ بہرحال خدائے تعالیٰ اُن کے بخار کو دفع کردے تو جس طرح ہوسکے منظوری استعفا یا بحصول رخصت روانگی کا ارادہ کروں۔ پھر بعد اس کے ایک دوسرے خط میں جس پر حکیم صاحب کی مہریں ثبت ہیں وہ لکھتے ہیں۔

فدوی کے آنے کا کچھ اعتبار نہیں معاملات یہاں کے ایسے ہیں کہ کسی امر کا تعین نہیں ہو سکتا راجہ صاحب وزراایسی تدبیریں کرتے ہیں کہ ہلاک ہو جائیں مگر تقدیر سے بچ جاتے ہیں اور پھر موت سے خائف بھی بے حد ہیں فدوی کے علاج کے معتقد بھی بہت زیادہ ہیں مگر اثر ان سب امور کا ظاہر نہیں ہوتا۔ مگر تلبکے اگر یہی حال ہے تو ایک دن دفعتًہ مرجائینگے۔ اسی بدنامی کے اندیشے سے اکثر قصد کرتا ہوں کہ چلا آؤں مگر وہ یہ امر گوارا نہیں کرتے اس شعر پر ان کا عمل ہے ؂

زاہد کا دل نہ خاطرِ میخوار توڑیئے

سو بار توبہ کیجئے سو بار توڑیئے

ماتقدم
ہزار روپیہ کی چھٹی کا پانچ ماہ سے حکم ہوا ہے کئی بار چھٹی لکھی گئی اور پھر گم ہوگئی مبلغ یک صد ہشتاد روپیہ آپ کو بھیجے گئے۔ انوار حسین خان اور نادر کی رخصت اسی وجہ سے امروز فردا پر ٹلتی رہی۔ نادر کو کبوتر لانے کی غرض سے بھیجا گیا تاکہ وہ انوار حسین خاں کو پہنچا بھی آوے اور پھر اپنی شادی کرآوے۔ مختار نامہ بنام مخدومی محمد امین خاں صاحب ملفوف عریضہ کرتا ہوں محمد امین خاں صاحب سے حال خرچ منی آرڈر تین سو پچاس اور دو سو روپیہ کا دریافت کرکے لکھ بھیجیے در بخدمت بزرگان تسلیمات و بخوردان دعوات و باحباب سلام شوق پہنچے۔

راقم آثم فرزند علی عفی عنہ

ان خطوط کے مضمون سے ناظرین کو وہاں کے مفصل حالات کی تصدیق ہو جائیگی۔ بالآخر

انھیں وجوہ سے حکیم صاحب نرسنگڑھ سے وطن چلے اور وہاں کی ملازمت کا سلسلہ ترک کر دیا۔ حکیم صاحب کے آنے کے بعد ۲۳ر اپریل سنہ ۱۸۹۰ء کو راجہ صاحب ممدوح کا انتقال بھی ہو گیا اور وہاں کا حال دگرگوں ہو کر ریاست کورٹ ہو گئی چونکہ راجہ پرتاب صاحب بہادر لاولد تھے بدیں وجہ راجہ صاحب کے چچا مہتاب سنگھ مالک قرار پائے۔ حکیم صاحب نرسنگڑھ میں پانچ چھ برس نہایت شان و شوکت سے رہے۔ آپ کے ہمراہ حکیم سید عابد علی صاحب، حکیم سید امجد علی صاحب، حکیم خادم حسین خاں صاحب، مولوی انوار حسین صاحب بھی تھے یہ حضرات بغرض تعلیم حکیم صاحب کے ساتھ گئے تھے۔ ان سب کے حال پر حکیم صاحب شفقتِ مربیانہ اور احسانات بزرگانہ فرماتے رہے اور حکیم صاحب کے اعزہ و احبا میں میر سرفراز علی صاحب، سید محسن علی صاحب، حاجی مصطفےٰ خاں، امانت خاں اور ملازمین وغیرہ ساتھ تھے۔ نرسنگڑھ میں حکیم صاحب کی دو اچھی یادگاریں ہیں۔ ایک تو مسجد بنوانا۔ دوسرے پنڈت جواہر لال کا مسلمان ہونا[1] اور ان پر آپ کی ہم نشینی و صحبت کا اچھا اثر پڑنا۔ پنڈت صاحب موصوف حکیم صاحب کے بڑے مخلص اور وہاں کے مشاہیر لوگوں میں تھے۔ ان کے حالات علمی جنتری و اخبار وغیرہ میں شائع ہوتے ہیں۔

---

[1] پنڈت جواہر لال کا نام جب وہ مشرف باسلام ہوئے تو شیخ عبدالعزیز صاحب مقرر ہوا۔ ان کا رجحان طبیعت دین محمدی کی طرف ابتدا سے تھا کیونکہ ریاست راج گڈھ میں اسلام کے انوار دیکھ چکے تھے۔ راجہ موتی لال صاحب بہادر والیِ راج گڈھ سنہ ۱۸۷۱ء میں مسلمان ہوئے تھے جن کے متعلق ولمر صاحب اپنی تاریخ یادگار دربار قیصری میں لکھتے ہیں کہ راجہ صاحب نے جب علانیہ دین محمدی اختیار کیا تو انھوں نے موروثی خطاب ترک کر کے نواب عبدالواحد خاں صاحب بہادر نام و خطاب گورنمنٹ سے حاصل کیا مگر ان کے پوتے راجہ راوت بل بہادر اپنے قومی مذہب پر پھر گئے۔ منشی جواہر لال صاحب کے اولوالعزم و فخر خاندان ہونے کا پتا صرف اسی امر سے چلتا ہے کہ تقلید کے پھندے کو توڑ کر تحقیق حق کی۔ پیشتر منشی صاحب راجہ پرتاب بہادر والیِ نرسنگڑھ کے مصاحب ہوئے بعد ازاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

مسجد جو حکیم صاحب کی وجہ سے تیار ہوئی تھی اُس کے متعلق جو روپیہ باقی رہا تھا وہ حکیم صاحب نے بعد چلے آنے کے بذریعہ ایجنٹی وصول کیا۔ اس کارروائی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶) موصوف کے ساتھ اُنھوں نے بڑے بڑے خیرخواہی کے کام کئے اور راجہ صاحب نے ان پر رئیسانہ عنایتیں فرمائیں۔ راجہ صاحب کو بیجے گڑھ کے تالاب میں کشتی سے گرنے کے وقت جبکہ وہ غرقاب ہوئے جاتے تھے جس جان نثاری سے آپ نے نکالا مشہور ہے۔ اس کے صلہ میں مہاراجہ صاحب نے ایک گراں بہا خلعت مرحمت کیا تھا۔ مہاراجہ جوہپور اور مہاراجہ نرسنگ گڑھ کے مابین مراسم اور قرابت پیدا کرانے کے باعث بھی یہی ہوئے۔ مہاراجہ صاحب والی جوہپور نے دربار عام میں اپنے بھائی مہاراجہ کشور سنگھ کے ہاتھ سے طلائی کڑہ ان کو پہنوایا تھا۔ پیشتر پنڈت صاحب چھاؤنی سیہور کے ڈپٹی پوسٹ ماسٹر ہو گئے اور پھر یہ ملازمت ترک کر دی۔ اصلی وطن آپ کا چھاؤنی ساگر تھا ان کے آبا و اجداد عہد قدسیہ بیگم میں قلعہ بھوپال کے قلعہ دار رہے تھے۔ بعد انتقال مہاراجہ نرسنگ گڑھ راجہ صاحب راج گڑھ نے سنہ ۱۸۹۲ء میں ان کو اپنے پاس بلایا اور نہایت قدر کی۔ پنڈت صاحب علم مجلسی میں طاق اور تہذیب و اخلاق میں شہرہ آفاق ہیں۔ والیان نرسنگ گڑھ و راج گڑھ سے اہل غرض کے لئے کلمۂ خیر کہنا ہمیشہ آپ کا شعار رہا۔ حکیم صاحب کو بڑی بے تکلفی اور محبت سے آپ خط لکھا کرتے تھے ایک خط جس میں اُنھوں نے کچھ اپنے حالات لکھے ہیں بضرورت روزگار حکیم صاحب کو تحریر کیا ہے اور حکیم صاحب نے اس کا جواب راقم سے لکھا کر منشی صاحب کو ارسال کیا تھا وہ درج ذیل ہے۔ نقل خط منشی شیخ عبدالعزیز صاحب عرف جواہر لال صاحب۔

مخدوم و مکرم معظم جناب حکیم سید فرزند علی صاحب دام الطافکم۔ بعد سلام مسنون الاسلام و اظہار شوق ملاقات مباہجت آیات خلاصہ مرام آنکہ الحمدللہ علیٰ احسانہ، عاصی مع الخیر داعی بالخیر بدرگاہ مجیب الدعوات ہے۔ یہاں سخت حادثہ گزرا یعنی واقع ۲۹ جنوری سنہ حال کو حضور راوت بہادر والی راجگڑھ نے رحلت فرمائی گزارش نہیں کر سکتا کہ حضور ممدوح کے انتقال نے مجھے کس قدر صدمہ دیا راجہ صاحب کے اخلاق و مروت اوصاف نہ صرف میری تحریر سے معلوم ہو سکتے ہیں بلکہ مشہور خاص و عام ہیں۔ حضور ممدوح اپنے عہد میں بدرجہ غایت خلیق رحیم دل رہے۔ بعد راجہ سری پرتاپ سنگھ بہادر والی نرسنگ گڑھ کے جس قدردانی و عزت افزائی کے ساتھ حضور راوت صاحب بہادر نے نیازمند کو طلب فرما کر سرفراز فرمایا وہ بھی

(بقیہ حاشیہ برصفحہ ۶۱)

کے ثبوت میں درخواست وکیل ریاست نرسنگ گڑھ کی حاشیہ پر درج کر دی گئی ہے۔
نرسنگ گڑھ با اختیار ریاست اور ممالک متوسط میں واقع ہے۔ راج گڑھ اور نرسنگ گڑھ دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷) آپ پر مخفی نہیں ہے۔ حضور کی شرفانوازی نے فرط اخلاق اور میری نمک خواری نے اُن کی دائمی مفارقت پر مجھے از حد اشکباری کرائی و بے حد رنج دیا۔ ریاست میں دو حقدار ہیں۔ حقیقی حقدار مہاراجہ بنے سنگھ صاحب جو راجہ راوت صاحب بہادر کے حقیقی چچا ہیں اور مجازی کنور جگناتھ سنگھ جن کو ولی عہد مقرر کیا ہے۔ صاحب والا شان پولٹیکل ایجنٹ بہادر واقع ۲۲ ... حال کو رونق افروز ریاست ہوئے ان کے اجلاس میں بہ مراتب طے ہوئے۔ کنور جگناتھ سنگھ جی نے عقلمندی کو کام فرما کر نوشتہ حضور راوت صاحب بہادر کا ایجنٹ صاحب بہادر کے روبرو پیش کیا اور یہ فرمایا کہ اگرچہ وارث ریاست نے ریاست میرے نام تحریر کر دی مگر یہ کار روائی راوت صاحب کی موجودگی اُن کے حقیقی چچا کے بہتر نہیں ہے اس واسطے میں بخوشی و رضا مندی بلا اکراہ اس امر کو تحریر کئے دیتا ہوں کہ مہاراجہ بنے سنگھ بجائے میرے والد کے وارث ریاست قرار دیئے جائیں اور وہ مسند نشین ریاست ہوں اور میں محل کنور پدی کا وارث ہوں بعد مہاراجہ صاحب کے میں حقدار ریاست قرار دیا جاؤں اور اسی طرح دوسری تحریر مہاراجہ بنے سنگھ صاحب نے نسبت حقداری کنور پدی کے کنور جگناتھ سنگھ جی کو تحریر کر دی اور ہر دو تحریرات کی تصدیق بخوشی تمام رانی صاحبات و نیز جملہ اخوان ریاست اور اراکین ریاست نے فرما دی ہنوز صاحب والا شان نے مقیم ریاست ہیں بالفعل تا صدر نشینی سپرنٹنڈنٹ صاحب نرسنگ گڑھ کو معمولی انتظام کرنے کے واسطے ایجنسی سے حکم ہوا ہے سپرنٹنڈنٹ صاحب موصوف بھی موجود ہیں۔ صدر نشینی بعد مرور ایام دو ڈیڑھ ماہ کے بعد منظوری حضور وائسرائے کشور ہند کے ہو جائیگی۔ ہر چند کہ راوت صاحب بہادر سے زیادہ مہاراجہ بنے سنگھ قدر شناس مسند کی فرمائینگے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۶۹)

یک جدی ریاستیں ہیں۔ راقم سے محترمی منشی عبدالعلی صاحب والد مکرمی عبدالحکیم صاحب ڈپٹی کلکٹر بیان کرتے تھے کہ جب مجھسے راجہ صاحب راج گڑھ سے ملاقات ہوئی اور حکیم سید فرزند علی صاحب کا تذکرہ آیا تو راجہ صاحب فرمانے لگے کہ حکیم صاحب ریاست میں ہیڈ منشی ملابت بلکہ نیابت کرتے تھے کیونکہ وہ اکثر معاملات میں مشورہ و مداخلت سے حصہ لیتے در بالطبع وہ مدبر واقع ہوئے ہیں۔

مہاراجہ صاحب کی تصویر اس کتاب میں شائع ہونے کے لئے ریاست نرسنگ گڑھ سے راقم نے جو درخواست کی اُس کے جواب میں جو باقاعدہ تحریر آئی اُس کی نقل درج ذیل ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٨) اور رانی صاحبات بھی نہایت شفقت سے پیش آئی ہیں مگر حضور راوت صاحب مادر کے اشفاق شاہانہ نے جو نیا زمند پر مبذول تھے یہ ذکر کے مجھے یہاں کا رہنا ایک لمحہ شاق کر دیا۔ چوں کہ سپاسہائے دیرینہ عنایت فرما مخدوم ہیں۔ لہذا بخدمت سامی مستدعی ہوں کہ آں صاحب کی سعی و کوشش سے یاست بھوپال میں میرا سلسلہ ملازمت ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ ہمیشہ اہل ہنود کی ریاستوں میں خدا کی مشیت سے بسر ہوئی اگر آپ کی کوشش یا آپ کے اور احباب جو بھوپال میں ہیں ان کی توجہ سے میری تنخواہ مقررہ سے کچھ کمی بھی ہو گئی تو میں وہاں کی ملازمت کو بوجہ اسلام کے پسند کرتا ہوں اور اب ان ریاستوں میں بوجہ نہ رہنے صاحبان قدردان کے طبیعت بھی وحشت کرتی ہے۔ مجھے خدا کی ذات سے اُمید واثق ہے کہ اگر آپ ل کوشاں ہونگے تو خداوند عالم آپ کی کوشش سے میرے حق میں نتیجہ نیک پیدا کرے گا۔ اگرچہ خدا نخواستہ ری ملازمت میں کوئی رخنہ نہیں تاہم مجھے راوت صاحب بہادر کی عدم موجودگی میں یہاں رہنا شاق گزرتا اور ارادہ مصمم کر لیا ہے کہ خداوند ذوالجلال آپ کی سعی سے وہاں سلسلہ قائم کر دے تو بخدمت سامی حاضر ں۔ اُمید کہ بواپسی ڈاک نتیجہ جواب سے سرفراز فرمایئے۔ برخورداران عبدالحمید و عبدالمجید تسلیمات عرض تے ہیں۔ حاجی مصطفیٰ خاں کو سلام علیک کہہ دیجئے گا۔ زیادہ والسلام

راقم نیاز۔ عاصی محمد عبدالعزیز عرف جواہر لال غفی عنہ راج گڑھ ۳ مطابق ۳ شوال المکرم ۱۳۱۹

نقل حکم باجلاس خاں بہادر منشی عنایت حسین صاحب دیوان و وائس پریسیڈنٹ کانسل آف ریجنسی ریاست نرسنگہ گڑھ

متعلق درخواست محمد مظفر حسین خاں سلیمانی زمیندار و مورخ شاہ آباد دربارہ عطا فرمائے جانے ایک فوٹو مہاراجہ سر پرتاب سنگھ صاحب بہادر کے سی ایس آئی والی ریاست نرسنگہ گڑھ پیش ہو کر حکم ہوا کہ درخواست کنندہ کو اطلاع دی جائے کہ کوئی ایسا فوٹو نہیں ہے جو دیا جاسکے۔

مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۲۳ء

حکیم صاحب کے معالجات

خانہ نشینی کے زمانہ میں حکیم صاحب جب بھوپال و نرسنگہ گڑھ سے چلے آئے تھے زیادہ تر مریضوں کے علاج میں مصروف رہا کرتے۔ ان کی خداداد شہرت کے باعث اکثر دور دور شہروں کے مریض ان کے مکان پر آتے اور اس گرد و نواح کے روسا و تعلقہ دار بھی نہایت قدر سے بلاتے۔ چنانچہ منجملہ دیگر امرا کے صاحبزادہ نواب زادہ افتخار الملک محمد عبید اللہ خاں بہادر فیروز جنگ سی ایس آئی کے جو والی ٹونک کے بھائی اور مدار المہام ریاست تھے اپنا خط بھیجکر بلایا اس کے مطابق حکیم صاحب ٹونک تشریف لے گئے تو صاحبزادہ موصوف نہایت لطف سے پیش آئے اور خاص اپنی کوٹھی میں حکیم صاحب کو ٹھہرایا اور رئیسانہ خاطر داشت فرمائی وہاں کی مدارات اور تکریم کا حالات خود حکیم صاحب نے اور آپ کے ہمراہی حاجی مصطفےٰ خاں نے راقم سے بیان کئے ہیں خط صاحبزادہ ممدوح نے حکیم صاحب کے نام لکھا تھا اس کی نقل درج ذیل ہے۔

خط

نواب افتخار الامرا فخر الملک صاحبزادہ حافظ محمد عبید اللہ خانصاحب بہادر فیروز جنگ سی ایس آئی وزیر اعظم ریاست ٹونک

مشفقی و مکرمی حکیم سید فرزند علی صاحب زید لطفہ ۔ پس سلام مسنون بصد اشتیاق مقرون واضح خاطر عاطر باد ۔ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو فن طبابت میں ید بیضا عطا فرمایا ہے اس بات کو میں مدتوں سے سنتا ہوں ۔ اس لئے مدت دراز سے میری دلی خواہش تھی کہ اپنا احوال آپ سے بیان کروں اور آپ کی تجویز کے مطابق علاج کروں لیکن بحمدہ تعالیٰ ہمیشہ یہاں کے اطبا کے علاج سے میری طبیعت اصلاح پذیر ہو جاتی تھی مگر اندنوں طبیعت کا عجب رنگ ڈھنگ ہو گیا ہے کہ باوصف علاج گوناگوں اضمحلال طبیعت سے رفع نہیں ہوتا اس لئے میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ براہ مہربانی یہاں قدم رنجہ فرمائیں اور بچشم خود میرا حال دیکھکر علاج کریں تو باعث شکر گزاری و احسان مندی ہوگا ۔ ان دنوں سید سعید الدین احمد صاحب سے جو اتفاق ملاقات ہوا تو آپ کے مطب کا تفصیلی حال مجھے زیادہ تر معلوم ہوا ۔ آپ تشریف آوری میں کچھ تامل نہ فرمائیں خانہ بے تکلف سمجھکر مجھے رہینِ منت بنائیں فقط

مورخہ ۲۴ر فروری ۱۸۹۲ء از ٹونک خاکسار محمد عبید اللہ عفی عنہ

۱ فن طبابت سے طبیعت کو ایسی مناسبت تھی اور کافی تجربہ حاصل تھا کہ بعض جاں بلب مریض جو زندگی سے مایوس ہو چکے تھے حکیم صاحب کے علاج سے اچھے ہو گئے ۔ حکیم صاحب کا اصول تھا کہ نسخہ کے اجزا کمیت و کیفیت مزاجی کے لحاظ سے ایسے مناسب تحریر کئے جائیں کہ اگر نفع نہ ہو تو نقصان بھی نہ پہنچائیں ۔ جب تک مرض تشخیص نہ ہوتا ہرگز نسخہ تجویز نہ فرماتے ۔ راقم کو ان کے اس اصول کی پابندی کا عینی مشاہدہ ہوتا رہا ہے ۔

حافظ صمصام علی صاحب تعلقہ دار گنڈارہ ضلع بہرائچ کے احشا میں کوئی زخم یا پھوڑا تھا اور اس کے ساتھ مختلف علاجوں سے متضاد شکایتیں بھی پیدا ہوگئی تھیں اور حالت بہت نازک تھی۔ اطبائے لکھنؤ بھی موجود تھے حکیم صاحب بھی شاہ آباد سے بلائے گئے آپ نے اس خوبی و حذاقت سے علاج کیا کہ شافی مطلق نے آپ کے ہاتھوں غسل صحت کرا دیا۔ اسی طرح چودھری محمد اعظم صاحب تعلقہ دار سندیلہ سے حکیم صاحب سے نہایت اتحاد تھا جب ان کے فرزند مولوی حسن جان صاحب بیمار ہوئے اور مرض نے طول کھینچا تو حکیم صاحب کو بلایا صرف آٹھ روز کے علاج میں وہ اس قابل ہوگئے کہ قیصر باغ سے تامدان پر ہوکر ہوا کھانے کے لئے جا سکے یہ دیکھ کر ڈاکٹر رام لال صاحب نے کہا کہ ایسی خراب حالت میں ان کا علاج واقعی حکیم صاحب آپ ہی کا حصہ تھا جس سے کسی متنفس کو انکار نہیں ہو سکتا۔

منشی رائے ہزاری لال صاحب سب جج ضلع ہردوئی کے بھتیجے کے متعلق حکیم صاحب خود بیان کرتے تھے کہ وہ لڑکا قریب مرگ ہونے کے پہنچ گیا تھا مگر بفضلہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے خوب اچھا ہوا اور بال بال بچ گیا۔

اسی طرح منشی صفدر حسین خاں سب جج کے صاحبزادہ کے علاج میں لکھنؤ کے بعض لائق اطبا اور حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی، حکیم رمضان خاں بلگرامی، سول سرجن ہردوئی غرضکہ بہت سے نامی معالج مجتمع ہوئے ہر شخص کو نسخہ لکھنے اور پیش قدمی کرنے میں تامل تھا۔ حکیم صاحب نے بلا تردد نسخہ لکھا اور علاج شروع کیا۔ قاعدہ ہے کہ جب انسان کی استعداد کامل ہو اور وہ اصول کے ساتھ اجزا تجویز کرے تو اس کو چاہے کیسا ہی بڑا مجمع ہو اظہار رائے میں خوف نہیں ہوتا یہی حالت حکیم صاحب کی تھی الغرض ان کا علاج حکیم صاحب ہی نے کیا اور کلک تقدیر نے صحت کا سارٹیفکٹ آپ ہی کے نام لکھا تھا۔

منشی مولابخش صاحب سب جج صحت سے مایوس ہو چکے تھے وہ بھی حکیم صاحب کے علاج سے اچھے ہوئے اور ہمیشہ حکیم صاحب کے ممنون رہے بلکہ کان پور میں جب سب جج تھے تب بھی انھوں نے ایک عنایت نامہ بڑی محبت سے حکیم صاحب کے نام تحریر کیا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ آج کل کونسل میں دین مہر کی تعداد معین ہونے کا مسئلہ پیش ہے مجھ سے بھی رائے دریافت کی گئی ہے اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے مجھے اس سے مطلع فرمائیے۔ حکیم صاحب نے اس کا جواب راقم سے لکھا کر بھیجا تھا۔ مولوی سید علی صاحب کا بیان ہے کہ حکیم صاحب کے ابتدائی مطب کے زمانہ میں دو مہلک امراض کے مریض لکھنؤ میں حکیم صاحب کے ہاتھ سے اچھے ہوتے میں نے دیکھے۔ ایک شخص مسمیٰ کلو جس کو تپ دق کا مقدمہ شروع تھا اور دوسری مسماۃ مرادن ساکنہ محلہ سجان نگر جس کی روز بروز حالت ردی ہوتی جاتی تھی اور اس کا علاج لکھنؤ کے نامی اطبا کر چکے تھے اکثر اطبا نے حرارت تشخیص کی اور اس کا علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ در اصل احتباس طمث کا مزمن مرض لاحق ہو گیا تھا مشیت الٰہیہ نے اس کے مرض کی تشخیص اور صحت حکیم صاحب کے حصہ میں رکھی تھی جس پر لکھنؤ کے لائق اطبا نے حکیم صاحب کی تعریف کی۔

شاہ آباد اور اس کے قرب و جوار کے امرا و غربا میں ایسے کم لوگ ہونگے جنھوں نے حکیم صاحب کے علمی و ذاتی فیض سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔ لکھنؤ میں ایک پمفلٹ حکیم صاحب کے بعض معالجات کے متعلق طبع ہو چکا ہے۔

قطب الدین خاں صاحب رئیس محلہ کھیڑہ جب سل کے مرض میں مبتلا ہوئے اور حکیم صاحب نے ان کا علاج کیا تو ایک مدت کے بعد بغرض تبدیل آب و ہوا اور نیز بعض امتحانات کی ضرورت سے ان کا لکھنؤ جانا مناسب سمجھا گیا۔ چنانچہ وہ شاہ آباد سے لکھنؤ تشریف لے گئے حکیم صاحب نے ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب کے نام جو اپنے فن میں بہت مشہور تھے ایک خط مولوی سید علی صاحب

کی معرفت بھیجا اُس میں لکھا تھا کہ خاں صاحب کی موجودہ قوت صرف ادویۂ مقویہ اور اشربۂ مفرح سے برقرار ہے صرف ایک شق ناقص باقی رہ گئی ہے مگر مریض کو ملاحظہ کیجئے کہ ابھی دو چل پھر سکتا ہے۔ لکھنؤ میں خاں صاحب نے حکیم عبدالعزیز صاحب کا علاج شروع کیا اور ڈاکٹر صاحب موصوف نے خاں صاحب کا امتحان اور معائنہ کیا تو حکیم عبدالعزیز صاحب کے روبرو حکیم فرزند علی صاحب کی خوبی علاج اور ان کے اس رائے کی جو انھوں نے خط میں ڈاکٹر صاحب کو لکھی تھی بہت تعریف کی اس کے بعد خاں صاحب مسطور الصدر کی صحت و قوت لکھنؤ میں بالکل خراب ہو گئی اور وہ شاہ آباد واپس آئے اُس وقت کی آخری کوشش بھی حکیم صاحب کی واقف کاروں کو یاد ہوگی کہ صرف علاج کے زور پر ان میں قوت باقی تھی۔

نواب احتشام الملک عالی جاہ سلطان دولہا بہادر کا حکیم صاحب کو بُلوانا

جب نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ بھوپال کی صاحبزادی آصف جہاں سخت بیمار ہوئیں اور وہاں کے اطبا کے علاج سے صحت کے آثار نہ ظاہر ہوئے تو نواب سلطان دولہا بہادر نے اپنے ایک مصاحب عاقل خاں کو حکیم صاحب کے بلانے کو شاہ آباد بھیجا۔ حکیم صاحب حسب الطلب بھوپال تشریف لے گئے۔ اس علاج میں نواب صاحب ممدوح نے ہندوستان کے نامی گرامی اطبا بلا کر جمع کئے تھے معرکہ آرا علاج تھا دہلی سے حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں لکھنؤ سے ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب وغیرہ آئے تھے تشخیص مرض اور تجویز نسخہ جات میں خوب علمی مباحثے ہوتے حاذق الملک مرحوم نے عرق برنجاسف جو اپنے ساتھ لائے تھے

صاحبزادی کو دینا چاہا حکیم صاحب نے اختلاف کیا اور کہا کہ صاحبزادی کا مزاج حار ہی اور یہ عرق کا نسخہ گرم ہی۔ ہم یونانیوں کے یہاں علاج بالضد ہوتا ہی۔ لہٰذا اس عرق کا دینا نامناسب ہے اس پر حکیم نورالحسن صاحب جو حاذق الملک کے شاگرد اور بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی کے ملازم تھے اس عرق کے دینے پر مصر ہوئے۔ اختلاف پر بحث چھڑ گئی نتیجہ یہ نکلا کہ نسخہ کا اوسط نکالا جائے چنانچہ اجزا کے خواص کی جانچ کی گئی۔ اجزاے حار اجزائے بارد پر غالب نکلے مگر جب بھی فریق ثانی کے اصرار سے اُس عرق کا استعمال کرایا گیا تو مضر ثابت ہوا۔ بعدازاں جو حضرات باہر سے بلائے گئے تھے رخصت کر دیئے گئے اور علاج تنہا حکیم صاحب کے ہاتھ میں دیا گیا۔ حکیم صاحب نے بڑی حذاقت ولیاقت سے علاج کیا اور مار ابجبن اور دیگر تدابیر سے نہایت نفع ہوا آخرکار شافی مطلق نے صاحبزادی کو صحت عطا کی اور حکیم صاحب خلعت بیش بہا اور زرکثیر سے سرفراز فرمائے گئے[۱] اس موقع پر چھ ماہ کے قریب بھوپال میں رہ کر حکیم صاحب اپنے وطن شاہ آباد میں واپس آئے۔ دوسری برس صاحبزادی پھر کچھ بیمار رہیں جس کے متعلق حکیم نورالحسن صاحب طبیب ڈیوڑھی خاص نے حسب الحکم۔ جناب بیگم صاحبہ حکیم صاحب کو اطلاعاً یہ خط بھیجا تھا۔

نقل خط متعلق علالت صاحبزادی آصف جہان بیگم صاحبہ

مکرم و معظم ذوالمجد والکرم جناب حکیم سید فرزند علی صاحب زاد رافتہم۔ بعد سلام مسنون

---

[۱] خود حکیم صاحب نے صاحبزادی آصف جہان کے علاج کا مفصل قصہ حاجی شیخ افضل علی صاحب سب جج سے راقم کے روبرو بیان کیا تھا اور تزک سلطانی کے صفحہ ۳۲۲ میں بیگم صاحبہ نے تحریر فرمایا ہی کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب ایک ہزار روپیہ روزانہ فیس پر دلی سے اور ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب کو پانسو روپیہ روزانہ فیس پر لکھنؤ سے بلوایا تھا۔ صرف ڈاکٹر صاحب موصوف کو تیس ہزار روپیہ فیس اور دو ہزار انعام میں دیا گیا۔ ۱۲

خلاصہ آنکہ کمترین بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہے اور خیر و عافیت آں جناب نیک مستدعی۔ صحیفہ والا موسومہ سرکار۔ والا اقتدار مرسلہ جناب پہنچا حال معلوم ہوا۔ عرصہ پندرہ روز کا ہوا سرکار نے کمترین سے ارشاد فرمایا تھا کہ تو حکیم صاحب کو ہماری طرف سے جواب خط میں بیا آصف جہاں بیگم صاحبہ سلمہا کا حال لکھ کر بھیج دے۔ بوجہ رمضان المبارک اور مریضوں کی کثرت کے نوبت جواب لکھنے کی نہیں آئی۔ معاف فرمایئے گا۔ اب کی سال بیا صاحبہ کے مزاج کی یہ کیفیت رہی کہ وسط موسم سرما میں بوجہ نہانے وغیرہ کے زکام شروع ہوا۔ تھوڑے دنوں تک زکام رہا کبھی بند کبھی جاری۔ اس عرصہ میں کوئی دوا نہیں دی گئی۔ اس کے بعد کھانسی و بخار شروع ہوگیا۔ تین روز کے بعد یونانی علاج شروع ہوا اس سے بخار میں کمی ہوگئی۔ مگر اختلاج قلب کی بہت شدت رہی قبض بھی تھا۔ تلیین دیا گیا اس سے بخار میں تخفیف ہوگئی دوسرا تلیین بھی دو چار روز کے بعد دیا گیا اس سے اختلاج قلب کی کمی ہوگئی۔ بخار بالکل جاتا رہا قدرے حرارت اور کھانسی باقی رہی اس کے بعد علاج ڈاکٹری شروع ہوگیا۔ صحت تو ہوگئی تھی یونانی علاج سے مگر بوجہ تلون مزاج کے پانچ چھ روز علاج ڈاکٹر جوشی کا بھی ہوگیا۔ اب فضل الٰہی سے طبیعت اچھی ہے۔ ۱۲ر شعبان سے سمردہ میں قیام ہے۔ کوئی دوا آج کل بوجہ صحت کے جاری نہیں ہے۔ چھوٹی سرکار دام اقبالہا اور جناب نواب سلطان دولہا صاحب بہادر و ہر دو صاحبزادگان و صاحبزادی[1] صاحبہ دام اقبالہم کا سلام مسنون پہونچے فقط راقم آثم نور الحسن عفی عنہ۔ ۱۰ر شوال ۱۳۱۱ ہجری از سمردہ۔ کمترین کا سلام و نیاز دست بستہ قبول ہو

---

[1] صاحبزادی آصف جہاں بیگم صاحبہ اس صحت کے بعد پھر بیمار ہوئیں اور ۱۸ر محرم ۱۳۱۲ ہجری کو چودہ برس کی عمر میں انتقال کر گئیں۔ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کو بعد وفات بڑی صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم صاحبہ کے یہ دوسرا افسوسناک داغ اٹھانا پڑا۔ ان کے بعد ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال کی اولاد دختری میں کوئی صاحبزادی باقی نہیں رہی۔

منشی مظفر علی صاحب و حاجی صاحب کو سلام پہنچے۔

حکیم صاحب کو سرکار بھوپال سے ہمیشہ قلبی تعلق رہا اور وہ نواب سلطان دولہا بہادر اور نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ رئیسہ موجودہ سے خط وکتابت رکھتے تھے۔ فصل انبہ میں اس نواح کے مشہور و معروف آم بھی تحفۃً بھیجا کرتے۔ من جانب ریاست بھی نہایت نوازش سے گرامی نامجات صادر ہوتے۔ اکثر خطوط حکیم صاحب نے راقم سے لکھا کر سرکار بھوپال کو بھیجے بعض مسودات اب تک پڑے ہوئے ہیں۔ ایک نیاز نامہ حکیم صاحب کا اور چند افتخار نامے نواب سلطان دولہا بہادر کے جو خاص نواب صاحب ممدوح کی قلم کے لکھے ہوئے ہیں یہاں بطریق ثبوت درج کئے جاتے ہیں تاکہ معزز ناظرین کو آگاہی ہو کہ حکیم صاحب کا خلوص اور سرکار بھوپال کی رئیسانہ توجہ میں ایسی مضبوطی تھی کہ حکیم صاحب کے تاحین حیات استقلال کے ساتھ قائم رہی اور ان مراسم میں سرمو فرق نہ آیا۔

نیاز نامہ منجانب حکیم صاحب بخدمت جناب نواب صاحب بہادر

قدردان فیض بخش فیض رسان جناب نظیر الدولہ سلطان دولہا میاں احمد علی خان صاحب بہادر دام اقبالہم

بعد تسلیم نیاز بکمال اشتیاق حضوری گزارش ہے کہ قطعہ عرضی بحضور سرکار دولت مدار ہمسلک عریضہ نیاز ارسال خدمت فیضدرجت ہے امید کہ عرضی مذکور روبکاری حضور عالیہ میں پیش فرمادی جائے۔ امسال اس نواح میں فصل انبہ نہایت کم بلکہ ہزار حصہ میں ایک حصہ بھی نہیں۔ اقل قلیل جو کسی درخت میں چند دانہ باقی رہے تھے وہ زمانہ کمال پختگی تک اشجار میں نہیں رہ سکتے تھے اور بوجہ خامی و خرابی فصل کے ذائقہ اصلی پر



بھی نہ ہونگے۔ لہذا حسب دستور قدیم انبہ کہ نام ان کے لکھدیئے گئے ہیں ارسال خدمت فیضدرجت ہیں۔ اُمیدوار عنایت قدیمانہ سے ہے کہ شرف قبول سے مشرف وممتاز فرمائے جائیں، ونوید اعتدال مزاج عالی حضور وسرکار فیض آثار وصاحبزادگان بلند اقبال دام اقبالہم سے احقر کو عزت امتیازی بخشی جائے۔ از طرف حاجی مصطفیٰ خاں تسلیمات انشاء اللہ العزیز ہمراہ احقر حاضر ہونگے دعا ہاے ترقی دولت واقبال معروض ہے

عریضہ حکیم سید فرزند علی عفی عنہ از شاہ آباد

گرامی نامہ نواب سلطان دولھا صاحب دام ‌اقبالہا دربنام حکیم صاحب

مصدر اخلاق مجمع کمالات حکیم فرزند علی صاحب سلمہ

بعد سلام سنت الاسلام آنکہ آپ کا مہربانی نامہ مع یک قطعہ بلٹی اور اس کے ایک روز بعد پارسل انبہ وصول ہو کر باعث مسرت خاطر ہوا۔ خدا کا فضل ہے کہ ہم سب عافیت سے ہیں۔ میں نے آپ کا سلام بخدمت ولی عہد صاحبہ پہنچا دیا فصل انبہ امسال یہاں بہت کم ہے بلکہ قریب الاختتام ہے۔ انبہ مرسلۂ سامی بہت خوش ذائقہ اور مختلف قسم کے تھے اکثر اُن میں سے جب یہاں دو تین روز رہے اُس وقت کھانے کے قابل ہوئے۔ حاجی مصطفیٰ خاں درحقیقت اب بہت ضعیف ہو گئے ہونگے میں ان کے لئے بالعوض بیٹہ کے کچھ نقدی مقرر کردوں گا جو ان کو وہیں ملتا رہے گا۔ آپ اُن سے کہدیجئے کہ وہ دعائے خیر سے فراموش نفرمائیں فقط والسلام مورخہ ۲۳ صفر ۱۳۱۷ھ

الراقم

احمد علی خاں عفا عنہ

دیگر

مصدر اخلاق و منبع اشفاق حکیم سید فرزند علی صاحب زاد عنایتہ بعد سلام سنت الاسلام
آنکہ خدا کا شکر ہے کہ ہم صحت و عافیت سے ہیں۔ آپ کے چند خطوط اس درمیان میں وصول ہوئے
بوجہ عدیم الفرصتی و افکار گوناگوں تحریر جواب سے جو قاصر رہا اس کی معذرت کرتا ہوں۔ آج
حاجی مصطفےٰ خاں کی زبانی آپ کے فرزند لخت جگر کی رحلت کا حال سنکر سخت قلق ہوا۔ اس
پیرانہ سالی میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو یہ ایک بہت بڑا صدمہ ہوا اور یہ وہ درد غم ہے کہ اس کو
وہ ہی خوب جانتا ہے جس کو ایک آدھ بار اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ میں بجز اس کے اور کچھ نہیں لکھ سکتا
کہ آپ صبر و شکیبائی اختیار کیجئے اور بالعوض اس کے دنیا و آخرت میں نعم البدل کے اُمیدوار
رہے جب چھوٹی سرکار سے ذکر آیا تو صاحبہ موصوف کو بھی اس واقعہ کا سخت افسوس ہوا۔ فقط

مورخہ چہارم شوال سنہ ۱۳۱۲ھ راقم احمد علی خاں عفی عنہ

ایضاً

مصدر و منبع اخلاق جناب حکیم فرزند علی صاحب سلمہ۔ بعد سلام علیک واضح رائے ہو کہ
بفضلہ تعالیٰ بہمہ وجوہ خیریت ہے اور اُمید ہے کہ آپ بھی ساتھ صحت و سلامتی کے ہونگے۔
اول آپ کا خط پہونچا بعد اس کے پارسل محمولہ انبہ موصول ہوا۔ بعض انبہ کامل طور سے پختہ
ہوگئے تھے اور بعض میں کسی قدر خامی تھی انبہ سب قسم کے بہتر اور عمدہ تھے بالخصوص زعفران
اور بمبئی اور نایاب یہ ہر سہ بہت لذیذ اور خوش ذائقہ معلوم ہوئے جناب ولی عہد صاحب
نے نایاب کو زیادہ تر پسند فرمایا آپ کو دریافت ہوا ہوگا کہ یہاں سے حسب سررشتہ خط کتابت

ہو کر کارخانہ حکیم خادم حسین خاں صاحب سے قلمہائے انبہ طلب کی گئی ہیں۔ بیشتر اُن میں بھی یہی انبہ تھے جو آپ نے ارسال فرمائے ہیں لیکن قلمہائے مذکور یہاں نہیں پہونچیں یقین ہے کہ امروز فردا میں داخل ہو جائیں فہرست کارخانہ انبہ میں اقسام بمبئی چند قسم کے تحریر ہیں یعنی ان کے درجے قائم کئے ہیں منجملہ ان کے یہ کون سی قسم اور نمبر کا بمبئی ہے جو آپنے ارسال فرمایا وہ دریافت کر کے یا باعتبار اپنی معلومات کے اس سے مطلع فرمائیے۔ نواب عبداللطیف خاں صاحب سابق مدارالمہام ریاست نے چند بار کلکتہ کے انبہ میرے واسطے بھیجے وہ اس کے ہم شبیہ تھے۔ صرف اتنا فرق تھا کہ وہ اس سے کسی قدر شیریں زیادہ تھے اور صاحب موصوف کا یہ بیان تھا کہ کلکتہ میں یہ بمبئی مشہور ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ یہ اسی قسم کے ہیں کیونکہ خوشبو اور ذائقہ اور صورت و مقدار اور رنگ وغیرہ میں کسی قسم کا فرق نہیں شیرینی میں اگر کسی قدر ہو تو یہ بات قابل اعتبار نہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انبہ بوجہ کم پختہ ہونے کے اپنی اصلی شیرینی پر نہیں آتا۔ انبہ ہائے مرسلہ جناب میں چند انبہ ایسے بھی تھے کہ اُن پر پرچہ نام کا نہ تھا اُن میں ایک انبہ نہایت چھوٹا غالباً تخمی تھا نہایت خوش ذائقہ ہے اس کے نام سے مطلع فرمائیے اور یہ بھی تحریر کیجیے کہ کارخانہ حکیم خادم حسین خاں صاحب میں اُس کی قلمیں تیار بھی ہیں یا نہیں اور وہ درج فہرست کیا گیا ہے یا نہیں۔ بجواب آپ کے سلام کے چھوٹی سرکار[۵۱] آپ کو سلام فرماتی ہیں اکثر اوقات آپ کا ذکر خیر رہتا ہے۔ زیادہ والسلام

مورخہ ۱۷ شوال ۱۳۱۳ھ الراقم

احمد علی خاں عفی عنہ

---

[۵۱] چھوٹی سرکار سے مراد نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ کی ذات ہے جو اُس وقت میں ولیۃ العہد تھیں اور نواب شاہجہان بیگم صاحبہ فرماں روا تھیں ان کو بڑی سرکار کہا جاتا تھا ۔

دوبارہ بھوپال تشریف لے جانا اور عہدہ افسر الاطبائی پر مقرر ہونا

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا مرض آکلہ میں مبتلا ہونا بذریعہ خطوط و اخبارات عرصہ سے سنا جاتا تھا مگر ۳ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ ہجری کو یکایک بھوپال سے حکیم صاحب کے نام اس مضمون کا ایک خط آیا کہ بتاریخ ۲۹ صفر ۱۳۱۹ھ ہجری مطابق ۱۶ جون ۱۹۰۱ء دوپہر کے وقت نواب شاہجہان بیگم صاحبہ والیہ ریاست بھوپال[1] نے انتقال فرمایا اور مغرب کے وقت اپنے باغ نشاط افزا میں آغوشِ لحد کے سپرد کی گئیں۔ دفن کے وقت ایک ابر کا ٹکڑا جو فقط ان کے جنازے اور آس پاس کی زمین پر سایہ فگن تھا اور باغ کے حدود سے باہر سایہ کا کہیں پتا نہ تھا۔ اس ابر سے باران رحمت کا نزول ہو رہا تھا جو ان کی مغفرت کی ایک نمایاں دلیل ہے۔ ایک جم غفیر جنازے کے ساتھ تھا جس میں پولیٹیکل ایجنٹ اور رزیڈنٹ صاحب بہادر بھی تھے۔ ولیہ عہد صاحبہ رئیسہ تسلیم ہوئیں اور تعزیت میں من جانب وائسرائے کشور ہند اس مضمون کا تار آیا کہ:

حضور وائسرائے گورنر جنرل کشور ہند کو با جلاس کونسل نہایت افسوس کے ساتھ یہ خبر معلوم ہوئی کہ ۱۶ جون کو ہز ہائی نس نواب شاہجہان بیگم صاحبہ والیہ بھوپال رئیس لا درجہ اعظم طبقہ اعلیٰ ستارۂ ہند و ممبر شاہنشاہی سلسلہ کردن آف انڈیا نے انتقال فرمایا۔ اس تینتیس برس کی مدت میں جو ان کے دورانِ حکمرانی میں صرف ہوئی انھوں نے اپنی نامور پیشرو نواب سکندر بیگم

[1] نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کی عمر ۶۳ برس کی ہوئی کیونکہ ۲ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی تھی ۱۲

صاحبہ کی رفتار اختیار کرکے پوری قابلیت سے قدم بقدم تقلید کی اور ملک کا انتظام نمایاں لیاقت و کامیابی کے ساتھ کیا۔ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کا نام فیاضی اور رحمدلی میں مشہور ہے۔ انھوں نے اپنے اس خاندان کی مسلسل وفاداری کو جو شاہنشاہی منافع کے لئے جوش اور سرگرمی ظاہر کرنے میں ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ آشکارا و برقرار رکھا۔ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کی وفات نے رعایائے بھوپال کے سر سے ایک منصف مزاج رحمدل حکمران اٹھالیا اور تاج برطانیہ کا ایک بڑا وفادار ماتحت دنیا سے اٹھ گیا۔

یہ خبر سنتے ہی حکیم صاحب نے بھوپال کے سفر کا تہیہ کر دیا۔ نواب سلطان دولہ صاحب بہادر کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ سرکار خلد مکان کی وفات کا حال سن کر جو صدمہ اس قدیم دعاگو کو ہوا ہے بیان نہیں ہو سکتا۔ ارحم الراحمین اپنے فضل نامحدود سے ان کی مغفرت کرے اور ولیۃ العہد یعنی رئیسہ حال کو صبر و ایصال ثواب کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ میری جانب سے اس عرضی کو جو عریضہ ہذا کے ساتھ منسلک ہے سرکار عالیہ کی خدمت میں پیش کر دیں اور سلام مسنون کے بعد بالفاظ مناسب تعزیت بھی ادا فرما دیں۔ اس ترقی خواہ کا ارادہ بضرورت ادائے مراسم تعزیت و تہنیت عنقریب حاضری کا ہے۔ امید کہ نوید اعتدال مزاج وہاج سے جواباً سرفراز فرمایا جاؤنگا۔

حکیم صاحب کے اس نیاز نامہ کے جواب میں نواب صاحب موصوف کی پیشگاہ سے اس مضمون کا نوازش نامہ حکیم صاحب کے نام صادر ہوا کہ آپ کا خط اور ایک پارسل انبہ حسب دستور قدیم پہنچا قلبی مسرت کا باعث ہوا۔ آپ کی جانب سے سرکار عالیہ کی خدمت میں سلام مع عرضی کے پہنچا کے اظہار تعزیت کر دیا گیا۔ صدر نشینی کی تاریخ ۷ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ قرار پائی ہے آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ملتے ہی اسٹیشن پر سواری کا انتظام کر دیا جائیگا

اس خط کے آنے کے بعد حکیم صاحب نے بذریعہ مولوی علاء الدین صاحب اپنی روانگی اور اسٹیشن پر
پہنچنے کی تاریخ سے نواب صاحب بہادر کو اطلاع کر دی اور اسٹیشن شاہ آباد سے ڈاک گاڑی
میں سوار ہو کر بھوپال روانہ ہوئے۔ اسٹیشن سندیلہ پر ڈپٹی اظہر حسن صاحب بلگرامی جو شاہ آباد
میں تحصیلدار رہ چکے تھے حکیم صاحب سے ملنے کو آئے اور باتیں کرتے رہے۔ جب گاڑی لکھنؤ پہنچی
مولوی سید قمر الدین احمد صاحب داماد نواب منصرم الدولہ اور مولوی سید علی صاحب
ملاقات کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے بعد ازاں ٹرین کان پور کے اسٹیشن پر پہنچی تو حافظ
ابو سعید خاں صاحب ناشتہ کا سامان لے کر آئے اور ملے۔ جھانسی کے اسٹیشن پر پہنچے میں تو
گاڑی میں شدت گرما سے تپش تھی مگر وہاں سے چل کر جب بینا کے اسٹیشن پر پہونچے تو ترشح
ہو رہا تھا جس کی بدولت خنکی ہو گئی۔ ۹ بجے شب کو میل ٹرین اسٹیشن بھوپال پر پہنچی حکیم صاحب
گاڑی سے اترے ہمراہیوں میں خان بہادر حکیم خادم حسین خان، راقم الحروف، حاجی مصطفےٰ
خاں اور عزیز اللہ خدمتگار چار اشخاص تھے۔ مقصد خاں سوار جو ریاست کی طرف سے لینے کو
آئے تھے مع بائیگاہ ریاست کی بگھی کے اسٹیشن پر حاضر تھے حکیم صاحب مع ہمراہیوں کے
سوار ہو کر جائے قیام میں تشریف لے گئے بالاخانہ صدر المہامی آپ کے قیام کے لئے تجویز
ہوا تھا وہاں پہنچ کے قیام کیا۔ اسی وقت رات کو مولوی علاء الدین صاحب استاد نواب
سلطان دولہا بہادر آ کر بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔ محمد احسن صاحب تحصیلدار نے جو تاریخ
واقدی کے مترجم کی اولاد میں ہیں۔ بالاخانہ پر پلنگ پہنچوائے اور رات نہایت اطمینان سے
بسر ہوئی صبح کو ریاست کی طرف سے فرش و بستر وغیرہ کا سامان آیا اور ہر روز دونوں
وقت باورچی خانہ ریاست سے کھانا بھی آتا رہا۔ چونکہ جشن صدر نشینی عنقریب منعقد ہونے والا
تھا۔ نواب صاحب اس کے انتظام میں مصروف تھے اس عدیم الفرصتی کی وجہ سے دو دن روزانہ

کے بعد ملاقات کا ارادہ کیا گیا مولوی علاء الدین صاحب نے حکیم صاحب کا سلام نواب صاحب کو پہنچا دیا
اور نواب صاحب کی طرف سے آکر حکیم صاحب کی خیر و عافیت دریافت کی دو تین روز کے بعد
مراسم صدر نشینی شروع ہوئے اور دس بجے حکیم صاحب مع ہمراہیاں شرکت دربار کی غرض
سے صدر منزل میں تشریف لے گئے جلسہ کی شان و شوکت قابل دید تھی۔ پہلے کرنل میڈ صاحب
رزیڈنٹ لال کوٹھی سے خلعت مسند نشینی لے کر بڑے شان و تجمل سے روانہ ہوئے۔ جلوس
میں امپیریل سروس کا خوشنما ترب تھا۔ اس کے بعد ماہی مراتب و ستارہ ہند کے ہاتھی جن کے
آگے شہنائی نواز تھے۔ کچھ گھوڑے نقرئی طلائی سازسے آراستہ تھے۔ کرنل صاحب نواب
سلطان دولہا بہادر ایک چوکڑی پر سوار تھے۔ ان کے پیچھے مدارالمہام ریاست مولوی عبدالجبار
خاں صاحب اور بخشی محمد حسن خاں صاحب نصرت جنگ تھے جو خیر مقدم کو گئے تھے۔ ان کے
علاوہ معزز یورپین اور ہندوستانی مہمانوں کا سلسلہ تھا۔ ایوان دربار کے قریب پہنچنے پر
بینڈ باجہ شروع ہوا اور شہ نشین کے پاس پہونچنے کے وقت سلامی سر ہوئی۔ نواب سلطان
جہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے رزیڈنٹ صاحب سے بڑھکر ہاتھ ملایا۔ بیگم صاحبہ اس وقت
فاختئی رنگ کا بہت بیش قیمت برقع اوڑھے تھیں۔ کاندھوں پر اعلیٰ قسم کا قیمتی رومال تھا۔
سر پر تاج شہریاری چہرے پر سفید نقاب پڑا ہوا تھا۔ اب وائسرائے کشور ہند کا خریطہ پڑھا گیا
اور کرنل صاحب نے اٹھکر سرکار عالیہ کے گلے میں مالائے مروارید پہنا دیا جس میں بیش بہا
جواہرات چمک رہے تھے۔ باقی سامان خلعت توشہ خانہ میں بھیجدیا گیا اور بیگم صاحبہ ممدوحہ کو
کرسی پر بٹھا کر رسم مسند نشینی تکمیل کو پہونچائی گئی پھر کرنل صاحب نے نہایت متانت کے
الفاظ میں نواب نظیر الدولہ سلطان دولہا بہادر شوہر رحیمہ کی تعریف فرماکر انھیں من جانب
گورنمنٹ ہند نواب احتشام الملک عالی جاہ احمد علی خاں بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا

کرنل میڈ صاحب نے انگریزی میں اس وقت جو موثر تقریر[1] کی اُس کا ترجمہ میر منشی رزیڈنسی نے اُردو میں حاضرین دربار کو سنایا۔ اس کے جواب میں بیگم صاحبہ نے ایک نہایت دلچسپ و فصیح تقریر فرمائی جس پر بیساختہ رزیڈنٹ صاحب کی زبان سے کلمات توصیف نکل گئے۔ اسی

---

[1] خلاصہ اسپیچ کرنل میڈ صاحب بہادر ایجنٹ گورنر جنرل بہادر سنٹرل انڈیا۔ بیگم صاحبہ ہز مجسٹی شاہنشاہ عالم پناہ و حضور اکسلنسی وائسرائے گورنر جنرل قائم مقام ملک معظم نے انتہائے مسرت کے ساتھ آپ کی والدہ جناب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ جی سی ایس آئی وسی آئی والیہ بھوپال کے بجائے آپ کی مسند نشینی کا سر دربار اعتراف کرنا منظور فرمایا ہے مجکو معلوم ہے کہ ہز اکسیلنسی لارڈ کرزن بہادر بنفس نفیس آپ کو مسند نشین کرنا پسند فرماتے مگر افسوس ہے کہ حضور ممدوح کو بوجوہ ایسا کرنا ممکن نہ ہوا۔ آج میری مسرت یہاں موجود ہونے سے المضاعف ہے۔ اولاً اس وجہ سے کہ عنقریب ۳۳ سال پیشتر اسی طور پر میرے والد نے آپ کی والدہ مکرمہ کو مسند ریاست بھوپال پر متمکن کیا تھا اور ثانیاً اسی وجہ سے کہ میں اتنے برسوں تک بھوپال کا پولیٹکل ایجنٹ رہا ہوں۔ آپ سے اور آپ کے خاندانی اصحاب سے ذاتی واقفیت حاصل ہے۔ آج آپ اپنے بزرگوں کی مسند پر متمکن ہوتی ہیں۔ گو مجھے اُمید نہیں ہے کہ آپ کو دادِ شجاعت نمایاں کرنے کے اس قسم کے مواقع دستیاب ہوسکیں جیسے کہ آپ کے متقدمین سے بعض کو ملے ہیں یعنی وزیر محمد خاں صاحب کی طرح شہر پناہ بھوپال سے باغیوں کی یورش فرو کرنا یا مشہور زمان آپ کی نانی سکندر بیگم صاحبہ کی طرح خود لشکر کا ساتھ دینا جیسا کہ ۱۸۵۷ء کے مفسدۂ عظیم میں اُنھوں نے کیا۔ تاہم ریاست کی حکمرانی میں آپ کو ایک وسیع میدان اُن نیک اوصاف کے کام میں لانے کا دستیاب ہوگا جو میں خیال کرتا ہوں آپ کو اپنے متقدمین سے ملے ہیں۔ گزشتہ سالوں میں قحط اور وبا سے آپ کی ریاست کو سخت صدمہ پہنچا ہے یہ آپ کا حصہ ہوگا کہ مدبرانہ تدابیر سے اس آبادی کو پورا کرکے ریاست کے محاصل کو درست کرلیں۔ مگر میں بہت ہی زیادہ اس بات سے خوش ہوتا ہوں کہ سلطان دولہا احتشام الملک عالی جاہ نواب احمد علی خاں کی ذات جن کو میں بدل مبارکباد دیتا ہوں ایک ایسے مشیر و محرم ہیں جن کا پختہ تجربہ حکمرانی ریاست میں آپ کی اعانت و رہنمائی کرتا رہے گا۔ گورنمنٹ عالیہ و ریاست کے باہمی تعلقات میں وفاداری کے اُس بلند پایہ شہرہ کو جو آپ کو بزرگوں سے ورثہ ملا ہے بے داغ قائم رکھیں گی۔ میں آپ کو مسند نشینی پر عین خلوص دل سے گورنمنٹ ہند اور میم صاحبات ا

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۸۶)

سلسلہ میں نواب سلطان دولہا بہادر نے اک مختصر و پر مغز تقریر کی اور ایک سو ایک اشرفیاں گورنمنٹ کی نذر میں پیش کیں۔ اس کے بعد صاحبزادوں نے سرکار عالیہ کو نذریں دکھلائیں پھر مدار المہام صاحب اور بخشی صاحب نے۔ یہ سب نذریں قبول ہوئیں اور بیگم صاحبہ نے صاحب ایجنٹ گورنر جنرل اور صاحب پولیٹیکل ایجنٹ کا عطر و پان کیا اور معزز یورپین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵) انگریز صاحبان موجودہ دربار کی طرف سے اور خود اپنی طرف سے بدل مبارک دیتا ہوں اور ہم سب کی تمنا ہے کہ انشاء اللہ آپ کامیاب اور اقبال مند رہیں ہوں۔ خدا کرے قدسیہ بیگم کی طرح آپ عمر دراز پائیں اور شہرت و اقبال مندی میں نواب سکندر بیگم اور شاہجہاں بیگم کی ہمپایہ ہوں۔

(اسپیچ جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند والیہ ریاست بھوپال بر بعد صدر نشینی مورخہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۱۹ ہجری مطابق ۴ جولائی ۱۹۰۱ء)

جناب آنریبل کرنل میڈ صاحب و لیڈی صاحبات و صاحبان! میں خیال کرتی ہوں کہ یہ امر نامناسب نہ ہو گا کہ میں آغاز کلام میں اُس رنج و افسوس کا اظہار کروں جو میری والدہ ماجدہ کے انتقال سے نہ صرف مجھے بلکہ تمام رعایائے بھوپال کو پہنچا ہے جو ان کے فیض عام کی ایک عرصہ سے خوگر تھی۔ صاحبہ مغفورہ کے عہد حکومت میں بہت سے کام ریاست میں ایسے ہوئے جو برٹش گورنمنٹ کی وفاداری و جان نثاری پر مبنی تھے۔ خدا ہم کو صبر اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ میں تہ دل سے شہنشاہ انگلستان و ہندوستان کی قدردانی و حق شناسی و حضور وائسرائے کشور ہند کی ممنون و مشکور ہوں کہ آج مجھے یہ اعزاز و افتخار حاصل ہوا ہے۔ صاحبان دربار اس بات کے تسلیم کرنے میں انکار نہیں ہو سکتا کہ مجھ میں ان ذاتوں کا خون شریک ہے کہ جن کا تمام حصہ حیات نیک نامی اور تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری و جان نثاری میں گزرا ہے۔ بس خاندانی اقتضا سے مجھے اس سے زیادہ کوئی امر عزیز نہیں ہو سکتا کہ میں بھی وہی روش و طریق اختیار کروں جو طریق میرے اسلاف و بزرگوں کا ہے۔ آنریبل کرنل میڈ صاحب میں صرف آپ کی نصیحت آمیز کلمات ہی کا شکریہ نہیں ادا کرتی ہوں بلکہ اس بات پر مجھے نہایت مسرت ملی کہ جس طرح سر رچرڈ میڈ نے ۱۸۶۸ء میں میری والدہ خلد مکان کو صدر نشین کیا تھا اسی طرح

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۸۷)

مہمانوں کا عطر و پان مدارالمہام صاحب نے کیا بارہ بجے دن کے یہ رسم ختم ہوئی اور توپ خانہ سے
سلامی سر ہونے لگی چھ سات سو درباری اشخاص کا مجمع تھا جس میں جاگیردار، عمائد
اہل قلم، صاحب علم، منصبدار ذی عزت اشخاص شریک تھے ناظرین کی دلچسپی کے لئے
تقریروں کا ترجمہ حاشیہ پر درج کر دیا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بیگم صاحبہ ممدوحہ فی زمانہنا باعتبار اپنی قابلیت و خوش انتظامی کے
سلف کی نامور ذی لیاقت شہزادیوں کی زندہ نظیر ہیں۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۲۲ء یوم جمعہ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶) آج آپ نے اس محفل کو رونق بخشی جسے میں ایک فال نیک سمجھتی ہوں۔ میں
آپ کے اس ارشاد کو شکریہ کے ساتھ تسلیم کرتی ہوں کہ جو درباب نواب احتشام الملک عالی جاہ کے آپنے
مجھے توجہ دلائی ہے۔ نواب صاحب موصوف بے شک میرے پورے ہمدرد ہیں جنھوں نے کامیابی کے ساتھ
۲۷ برس میری رفاقت کی ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ ان کی اعانت و امداد اور وزیر صاحب بہادر ریاست
کی سچی وفاداری ہر کام میں میرے لئے رہنما ہوگی۔ مالی حالت ریاست کی بوجوہ چند در چند نہایت قابل توجہ
ہے اور رعایا میں افلاس و نادہندی سرایت کر گئی ہے۔ اگرچہ اس میں مجھے بہت سے مشکلات کا
سامنا ہوگا۔ کیونکہ افتادہ زمین کا از سر نو آباد ہونا خصوصاً ایسی حالت میں کہ تقریباً ایک ثلث مردم شماری
کی گھٹ گئی ہو بالضرور ایک اہم کام ہے مگر جس احکم الحاکمین نے اپنے ملک اور اپنی مخلوق کی حفاظت
میرے سپرد کی ہے مجھے امید ہے کہ وہ ہر کام میں میرا معین و مددگار ہوگا۔
اب میں حضور وائسرائے کشور ہند اور آپ اور اپنے شفیق مسٹر لنگ صاحب بہادر جن سے مجھے ہر طرح کی
امید ہے اور مسٹر میڈو و دیگر حاضرین دربار کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ خداوند کریم مجھے اور
میری اولاد کو برٹش گورنمنٹ کی خیر خواہی و وفاداری اور رعایا کی بہبودی و فلاح جوئی میں
ثابت قدم رکھے اور باہم میرے اور میری رعایا اور ملازمین کے رشتہ ہمدردی مستحکم و مضبوط ہو
آمین۔ فقط۔

نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند فرمانروائے بھوپال سے خاکسار نے ہمکلامی کا اعزاز
حاصل کیا تھا در حقیقت آپ کی گفتگو سے نہایت متانت و سنجیدگی اور ہر فقرہ سے اعلیٰ معلومات
کا ثبوت ملتا ہے۔ بات سنتے ہی معاملہ کی تہ کو پہنچ جاتی ہیں۔ چونکہ جناب ممدوحہ نے اپنی کتاب
اختر الاقبال میں قدم رسولؐ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ میں نے قسطنطنیہ جا کر سلطان المعظم
کے یہاں تبرکات میں اس کی زیارت کی ہے۔ احقر کو اس مسئلہ میں تحقیق کرنا تھا چنانچہ جب اس کے
بابت دریافت کیا تو آپ نے شرح و بسط سے حالات بیان کر کے اطمینان دلایا کہ حضور سرورِ عالم
کا یہ قدم مبارک نہایت صحیح و مستند ہے اس کے بعد سر مولوی اسرار حسن خاں صاحب نصیر الملہام
نے عرض کیا کہ سرکار عالیہ، ان مصنف کو نواب عالی جاہ سلطان دولہا بہادر سے بہت
خلوص ہے یہ ان سے اکثر ملے ہیں کل یہ نواب صاحب جنت آرامگاہ کے مزار پر حاضر ہوئے
تھے ان کی وفات کے متعلق ایک قطعہ خوب لکھا ہے اس کو پڑھوا کر سنئے۔ بیگم صاحبہ نے یہ
سنکر پڑھنے کے بابت ارشاد فرمایا۔ خاکسار نے قطعہ تاریخ سنایا۔ اکثر شعروں پر تحسین
فرماتی رہیں اور مادہ تاریخ کو جو آخر مصرع میں تھا بہت پسند فرمایا۔ بعد ازاں خاکسار نے
اپنی ناچیز تصانیف میں سے ایک کتاب پیش کی جس کو قبول فرمایا۔

۲۸ر دسمبر ۱۹۲۲ء کو محمڈن کالج علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی کی طرف سے اسنادِ فضیلت کی
تقسیم کا شاندار جلسہ تھا ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھی حسب دعوت تشریف لائیں اور بحیثیت
چانسلر ہونے کے آپ نے خطبہ صدارت پڑھا وہ ایسا فصیح و بلیغ تھا کہ ہر شخص گوش دل سے
سن رہا تھا۔ اسٹریچی ہال کے در و دیوار پر حیرت چھا گئی اور ہر طرف سے خوبیِ تقریر
صدائے تحسین بلند ہوئی۔ اکثر مشاہیر قوم اس وقت موجود تھے مجمع وسیع پیمانہ پر تھا
راقم کا عینی مشاہدہ ہے۔

علمی مشاغل اور قومی کاموں میں حصہ لینے سے اکثر عمایدآپ کو فخر قوم کے لقب سے مخاطب کرتے ہیں۔

علوم وفنون سے طبعی مناسبت اور تصنیف وتالیف سے آپ کو خاص دلچسپی ہے سیر وسیاحت کا دائرہ بھی وسیع ہے عرب وعجم کا سفر کرکے ہر ایک جگہ تشریف لے گئیں۔ مکہ معظمہ ومدینہ منورہ کی حاضری بھی ادا کی۔ جارج پنجم کی تاجپوشی میں لندن جاکر شریک ہوئیں وہاں ملکہ انگلنڈ ز راست ملیں قسطنطنیہ پہنچ کر سلطان المعظم اور سلطانہ بیگم سے ملاقات کی اور جناب رسالت مآب کے تبرکات کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ پیرس ومصر وغیرہ مشہور شہروں کی بھی سیر کی فارسی، انگریزی، اردو وغیرہ میں کافی استعداد ہے اور کئی زبانوں میں گفتگو کرسکتی ہیں اکثر موقعوں پہ آیات قرآنی برمحل پڑھ دیتی ہیں جس سے مذہبی واقفیت اور عربی دانی کا پتا چلتا ہے آپ کے قلم کا صاد بھی خوشخط وپاکیزہ ہوا کرتا ہے۔ غیر ممالک کے علاوہ ہندوستان کے نامی مقامات بھی ملاحظہ کئے۔ کلکتہ، بمبئی وغیرہ برٹش درباروں میں دیکھے۔ حیدرآباد کا سفر کرکے اعلیٰحضرت حضور نظام فرمانروائے دکن اور ان کی بیگمات سے ملاقاتیں کیں اور عثمانیہ یونیورسٹی اور تعلیم نسواں کے حالات دریافت کئے۔ گوالیار جاکر مہاراجہ صاحب کے جدید ملکی انتظامات اور مہارانیوں کے طرز معاشرت کو بغور ملاحظہ کیا۔ دہلی کے درباروں، الہ آباد کی نمایش میں اکثر موقعوں پر خود راقم الحروف نے جناب بیگم صاحبہ ممدوحہ کو رونق افروز دیکھا۔ آپ کی تصنیفات میں تزک سلطانی، گوہرِ اقبال، اخترِ اقبال، حیاتِ شاہجہانی، سفرنامہ حجاز، معیشت وغیرہ کے مطالعہ سے احقر نے استفادہ حاصل کیا۔ عفت المسلمات آپ کی تصنیفات میں مستورات کے لئے مفید ودلچسپ کتاب ہے جس میں دنیا کے مختلف حصوں کی اسلامی خواتین کے حالات بچشم خود دیکھکر تحریر فرمائے ہیں غرضکہ آپ کی ہر ایک بات سے بیدار مغزی اور روشن خیالی کا

اظہار ہوتا ہے۔

مولانا محمد سعید صاحب مہاجر جیسے فاضل و دیندار نے مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی روئداد ۱۳۳۲ھ / ۱۳۳۴ھ کے صفحہ ۲۷ پر راقم سے زیادہ اچھے الفاظ میں بیگم صاحبہ ممدوحہ کے اوصاف تحریر فرمائے ہیں۔

نواب احتشام الملک عالی جاہ بہادر سے حکیم صاحب کی ملاقات

دربار مسند نشینی کے دوسرے روز نواب سلطان دولہا بہادر نے حکیم صاحب کی ملاقات کے لیے شام کا وقت معین کیا تھا حکیم صاحب اس وقت مع حکیم خادم حسین خاں و حاجی مصلح[illegible] خاں اور راقم الحروف کے ملنے کو گئے۔ ہمایوں منزل جو صدر منزل کے پہلو میں ایک نہایت مختصر خوشنما مکان ہے اس کے اندر نواب صاحب رونق افروز تھے۔ چوبدار نے اندر جا کر اطلاع کی اور نواب صاحب نے بلایا۔ اندر ایک سہ دری کے صحن میں ایک چبوترے پر غالیچہ کا فرش تھا اس پر نواب صاحب بیٹھے تھے۔ ترکی کلاہ نیچا کرتا مشروع کا شرعی پائجامہ زیب تن تھا اور سامنے فاصلہ پر ایک فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ حکیم صاحب قریب سیڑھیوں کے پہونچے تو نواب صاحب نے کہا۔ آئیے حکیم صاحب آئیے۔ حکیم صاحب یہ سنکر جلدی سے بڑھے اور نواب صاحب سے رسم سلام علیک ہوئی۔ نواب صاحب نہایت شگفتگی اور تپاک سے ملے۔ حکیم صاحب نذر دکھا چکے اور ان سے مزاج پرسی ہو چکی تو حکیم خادم حسین خاں اور اس خاکسار کو [illegible] علاء الدین صاحب نے پیش کیا اور ہم دونوں نے ایک ایک اشرفی اور چند روپیہ شامل کر کے نواب صاحب کو نذر دکھائی جس کو نواب صاحب نے ہاتھ رکھ کر قبول فرمایا بعدہ حکیم صاحب

مولوی صاحب نے بالفاظ مناسب تعارف کرایا۔ نواب صاحب نے گلوریاں مرحمت فرمائیں اور اور حکیم صاحب سے بعد اشتیاق ملاقات اگلی باتیں چھیڑیں۔ سرکار خلد مکان کی مخالفت کے واقعات ریاست کے جدید انتظامات تخفیف ضروری کے معاملات کو اس طرح بیان کرتے رہے جس طرح کوئی اپنے بڑے خیر اندیش مشیر سے بیان کرتا ہے حکیم صاحب بھی حسب موقع و محل جواب دیتے رہے اس کے بعد حکیم صاحب نے ایک اشرفی جس پر کلمہ طیبہ منقوش تھا اور شاہان دہلی کے سکہ کی تھی نواب صاحب کے سامنے پیش کرکے عرض کیا کہ یہ اشرفی متبرک ہے میں نے نذر مانی تھی کہ جب ولیۃ العہد صاحبہ مسند نشین ہونگی تو اسے ان کی نذر کروں گا۔ آپ سرکار عالیہ کی خدمت میں یہ اشرفی محل میں بھجوا دیجئے اور میرا اسلام عرض کرا دیجئے۔ نواب صاحب نے ایک خادم کو بلاکر وہ اشرفی دی اور کہا کہ حکیم صاحب کی طرف سے سرکار کو یہ اشرفی دینا اور سلام کہنا۔ وہ خدمتگار صدر منزل کے اندر اشرفی لے کر گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر کہنے لگا کہ سرکار عالیہ نے حکیم صاحب کے جواب میں سلام کہا ہے اور اشرفی قبول فرماکر رکھ لی۔ اس کے بعد کچھ اور باتیں رہیں اور جب زیادہ وقت گزر گیا تو حکیم صاحب رخصت ہوکر اپنی قیام گاہ میں واپس آگئے۔

دوسری ملاقات

دوسرے تیسرے روز دوبارہ حکیم صاحب ملاقات کو تشریف لے گئے اور نواب سلطان دولہا بہادر اسی اخلاق سے پیش آئے۔ مختلف باتیں شروع ہوئیں۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ حکیم صاحب میں آج کل دن میں شاہجہان آباد چلا جاتا ہوں۔ اس شہر کو سرکار خلد مکان نے نیا بسایا ہے اور اس میں تاج محل نام ایک قصر بنوایا ہے۔ وہاں ڈیوڑھی خاص اور دیگر دفاتر کی درستی کے انتظامات میں مصروف رہا کرتا ہوں۔ تونے دو کرلو۔ روپیہ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ نے فضول خرچ

کرڈالے۔ ان مصارف میں بعض رقوم کے اخراجات ایک ہی مد میں کئی کئی بار درج ہیں۔ ان کی
تنقیح کرتا ہوں مثلاً منشی امیر احمد صاحب مینائی دوبار آئے پہلی مرتبہ جب انھوں نے اپنا قصیدہ
پیش کیا تو نواب عالمگیر محمد خاں کی معرفت دس ہزار روپیہ اور دوسری بار بارہ ہزار روپیہ
دیئے گئے۔ کل بائیس ہزار روپیہ ہوتے ہیں یہ دو جگہ لکھے ہوئے اور قدر محمد خاں کی ولی عہدی
قائم کرانے اور ولی عہد صاحبہ جو حقدار جائز تھیں ان کی ولی عہدی کی شکست میں لاکھوں
روپئے درمیانی لوگوں نے اڑائے۔ مجکو بفضلہ ریاست سے کسی سامان کے لینے کی ضرورت
نہیں۔ میری ڈیوڑھی میں خود کافی طور سے ہر ایک چیز موجود ہے۔ جس پر حکیم صاحب نے فرمایا بیشک
آپ کی ذاتی لیاقت اور انتظامی قابلیت سے اس لاکھ سوا لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر پر
ایسا عالی شان مکان اور پر فضا حیات افزا باغ تیار ہوا۔ اور ہر ایک قسم کا سامان بکثرت
موجود ہے۔ واقعی آپ کا حسن انتظام ہر طرح تحسین کے قابل ہے۔ بعد ازاں نواب صاحب سا[illegible]
شاہجہان آباد کے دیکھنے کے متعلق فرمایا۔ حکیم خادم حسین خاں نے بھوپال سے رخصت ہو[illegible]
خواہش کی اور راس راقم نے صدر منزل وغیرہ کے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ اور گفتگو ختم ہو[illegible]
ہی حکیم صاحب رخصت ہوکر قیام گاہ کو واپس آ گئے۔

اس کے دوسرے روز شاہجہان آباد کے محلات کی سیر دکھانے کے لئے ایک عہدہ دار [illegible]
پائیگاہ سے حکیم صاحب کے لینے کو آئی۔ حکیم صاحب مولوی علاء الدین صاحب اور یہ احقر تاج محل
دیکھنے کو روانہ ہوئے۔ پہلے عالی منزل وغیرہ کو دیکھا فی الواقع تاج محل کے اندر بہت [illegible]
مکانات بنوائے گئے ہیں۔ جن میں بعض مکانات کی آراستگی قابل دید تھی ہر ایک قسم کا فر[illegible]
اعلیٰ درجہ کی تصویریں موجود تھیں۔ ایک طرف نواب شاہجہان بیگم اور مولوی صدیق [illegible]
کے فوٹو بھی آویزاں تھے بے نظیر اور نشاط منزل کی چھت آئینہ دار اور اس کے [illegible]

فواروں کی قطار نہایت دل ربا معلوم ہوتی تھی۔ بیگم صاحبہ خلد مکان کی سکونت کا دیوان خانہ عجیب خوش نما ساخت سے تیار کیا گیا ہے۔ سنگ مرمر کے ستونوں پر سنہرا کام کمال زیبائی سے بنایا گیا ہے۔ اس کے اندر ایک جلی خوش خط قطعہ آویزاں تھا جس کے مضامین حسرت ناک تھے اور قافیہ داغ و باغ تھا۔ مگر مسند غالیچے وغیرہ متفرق طور پر بے ترتیب پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف تالاب کا دل کش منظر اور اندرون صحن پر فضا باغ نصب تھا۔ وہاں حکیم صاحب کو دیکھ کر قدیمی خادمہ گل چمن اور اس کے ساتھ بہت سی عورتیں جو رنگین ریشمی لباس پہنے تھیں دوڑیں اور حکیم صاحب سے اپنا حال زار کہنے لگیں۔ پھر ایک مریض بچہ کو لاکر دکھایا جس کو انھوں نے پالا تھا۔ یہ سب مکانات دیکھ کر حکیم صاحب کہنے لگے کہ واقعی سرکار خلد مکان نے اس ریاست کی حیثیت سے بہت زیادہ عمارت بنوائی۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ نے مٹیا برج میں جو پر تکلف مکانات بنوائے ان کو بھی میں نے دیکھا ہے یہ شان و شوکت میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کچھ (شاہجہان) نام ہی عمارت کے لئے موزوں ہے۔ پھر وہاں کی زیر تعمیر مسجد دیکھی جو در اصل بڑی وسیع اور عالی شان مسجد ہے۔ کہتے ہیں کہ سولہ سترہ لاکھ روپیہ اس میں صرف ہو چکا۔ بیشتر بلور کے فرش کی تجویز تھی مگر عکس پڑنے کی وجہ سے علما نے منع کیا۔ شاہجہان بیگم صاحبہ کی وفات کے وقت تک یہ مسجد تکمیل کو نہیں پہنچی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ باعتبار وسعت و سنگینی عمارت کے یہ مسجد ہندوستان کی قدیم نامی گرامی مسجدوں کے ہم پلہ ہے۔ راقم جامع مسجد، موتی مسجد آگرہ، شاہی مسجد لاہور، والا جاہی مسجد مدراس، مکہ مسجد حیدرآباد اور بمبئی وغیرہ کی مسجدیں بھی دیکھ چکا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی بات میں بے مثل ہے مگر اس مسجد کی عمارت بھی قابل دید ہے۔

حکیم صاحب اس زمانہ مہمانی میں بارہا نواب سے ملاقات کرتے رہے۔ ایک مرتبہ

بمبئی سے کچھ انگریز بازیگر آئے اور شب کو جلسہ ہوا تو بھی حکیم صاحب حسب طلب گئے اور
راقم بھی ہمراہ تھا۔ حکیم صاحب کی کرسی نواب صاحب کے قریب تھی دو ڈیڑھ ماہ تک حکیم صاحب
ریاست کے مہمان رہے بعد ازاں عہدۂ افسر الاطبائی پر تقرر ہوا۔ یہ تامل انتظام جدید کے وجہ سے
واقع ہوا۔ ہر محکمہ میں مناسب تخفیف وبیش تھی۔ رفتہ رفتہ شفا خانہ جات کا بھی نمبر آیا۔ ان
دنوں حکیم صاحب وہاں اکثر معالجات و ملاقات وغیرہ میں مشغول رہے۔ کبھی وزیر صاحب کے
یہاں گئے۔ کبھی صاحبزادگانِ بلند اقبال سے ملے کسی روز نواب سلطان دولہا کے بہنوئی والا جاہ علی
خاں بہادر سے کبھی منشی عنایت حسین خاں صاحب نائب وزیر اور بخشی محمد حسن خاں نصرت جنگ
منشی احمد حسین خاں صاحب میر دبیر و فرید اللہ خاں صاحب نائب بخشی مولوی رضا علی صاحب
شیر میاں رقم وغیرہ سے ملنے جاتے اور کبھی وہ معزز حضرات خود حکیم صاحب کے پاس تشریف لاتے
عہدۂ افسر الاطبائی کی تنخواہ پہلے چار سو روپیہ ماہوار تھی۔ اب بوجہ تخفیف ڈیڑھ سو روپیہ
ماہوار قرار دی گئی۔ حکیم صاحب نے اس کمی تنخواہ کے متعلق عذر کیا کہ مجھے انتظار دراز کے بعد
یہ موقع ملا۔ میری عمر کا آخری زمانہ ہے۔ میں نے سرکار عالیہ کا بچپن سے علاج کیا قدیم سے
جو خصوصیت ہے سب جانتے ہیں۔ ولیۃ العہد صاحبہ کی وجہ سے بڑی سرکار سے علحدگی اختیار
کرنا پڑی۔ استعفا بھی ولیہ عہد صاحبہ کو اطلاع دے کر دیا۔ جب میں ریاست نرسنگ گڑھ
میں تھا۔ راجہ عبد العلی خاں مرحوم نے مجھ سے بیان کیا کہ سرکار اور نواب صدیق حسن خاں ان باتوں
تمہارے شاکی ہیں کہ مولوی علاء الدین صاحب تمہارے پاس آکر ٹھیرتے ہیں۔ سلطان دولہا
کے آدمی تمہارے پاس آتے جاتے ہیں اور ان سے تمہاری خط و کتابت رہتی ہے۔ اسی طرح
سابق کے اور معاملات بیان کئے اور یہ بھی کہا کہ یہاں آکر معلوم ہوا کہ بحالت بیماری کسی نے
بڑی سرکار سے میری نسبت کہا کہ وہ پرانے مزاج دان سرکار کے ہیں ان کو بھی بلایا

مگر سرکار خلد مکان نے فرمایا کہ وہ سلطان دولہا اور ولیعہد سلطان جہان کے دوست خیرخواہ ہیں۔ سرکار خلد مکان کے عہد میں میری جاگیر تھی وہ بھی بحال ہونا چاہیئے۔ یہ عذرات سن کر نواب سلطان دولہا بہادر نے نہایت دل جوئی کی اور فرمایا کہ آپ کے حقوق کا مجھے اچھی طرح خیال ہے۔ انشاء اللہ وہ سب پورے ہونگے۔ اور اپنے استاد کو فہمایش کے لئے بھیجا کہ ریاست کی تخفیف میں آپ کو بھی شرکت چاہیئے۔ سردست اس تنخواہ کا قبول کرنا گویا موجودہ حالت کا سنبھالنا ہے۔ اس کے بعد پروانہ تقرری افسر الاطبائی کا ان کے نام مرتب کر کے بھیجدیا۔ علاوہ تنخواہ کے پالکی اور اس کے کہار اور سکونت کے لئے ایک شاندار مکان ریاست سے مرحمت فرمایا گیا۔

نقل پروانہ نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند والیہ بھوپال بنام حکیم صاحب

ضروری ۱۴ء

صؔ[1]



حکمت و حذاقت پناہ شرافت و عزت دستگاہ حکیم سید فرزند علی صاحب محفوظ باشند

تاریخ ہفتم جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۹ ہجری سے تم کو عہدۂ افسر الاطبائی پر بدر ماہہ یک صد و پنجاہ روپیہ کلدار بجائے حکیم حافظ عبد العلی صاحب افسر الاطبا مقرر کیا گیا تم چارج کام افسر الاطبائی کا لے کر کام متعلقہ بحسن تدبیر انصرام کرتے رہو اور نگرانی کام طبیبوں اور شفاخانہ جات شہر و

---

[1] دستخطی صاد نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ

بمفصل کی رکھو اور علاوہ تنخواہ مذکور ایک پالکی مع چار کہاروں کے تمہاری سواری
میں کارخانہ جات سے تعینات رہیگی اور اُس کے تعینات کر دینے کا حکم بنام مہتمم کارخانہ
لکھا گیا ہے۔ مطابق اس کے وہ پالکی مع چار کہاروں کے تمہارے پاس تعینات رکھینگے فقط
مرقوم دہم جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۹ ہجری بقلم خوشی لال

احمد حسین

نقل پروانہ دیگر من جانب ریاست بھوپال بنام حکیم صاحب

صح



حکمت و حذاقت پناہ شرافت و عزت دستگاہ حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطبائی ریاست بھوپال
انتظام جدید شفاخانہ جات میں شہر خاص و جہانگیر آباد و شاہجہان آباد میں تین شفاخانے
مقرر کئے گئے ہیں ایک نقشہ اُس کا اس پروانہ کے ساتھ تمہارے نزدیک بھیجا جاتا ہے اس میں
تمام اسامیاں و شاگرد پیشہ ہر سہ شفاخانہ جات کے مع عملہ و شاگرد پیشہ دار الشفا قائم کر دئے
گئے ہیں اس میں سے طبیب تو بمہاری ... تجویز و مقرر کر دئیے گئے باقی عملہ

شد
محفوظ

شاگرد پیشہ کی تجویز باقی ہے اس واسطے نقشہ اسمیوں سے ملازمان حال وشفا خانہ جات تمہارے نزدیک مرسل ہے من جملہ ملازمان حال مندرجہ نقشہ کے جو شخص جس کام کے لائق ہو اس کو اسامی مندرجہ نقشہ انتظام جدید پر منتخب اور تجویز کر کے نام ان کے لکھکر واسطے منظوری کے بھیجو اس تجویز میں لیاقت اور قدامت دونوں کا لحاظ رہے فقط

المرقوم دہم جمادی الثانی ۱۳۱۹ ہجری

احمد حسین

بقلم خوشی لال

جب حکیم صاحب کے نام یہ پروانہ تقرری سررشتہ ریاست سے آگیا تو آپ چارج لینے کے لئے شاہجہان آباد گئے۔ حکیم حافظ عبدالعلی صاحب لکھنوی جو اس عہدہ پر مامور تھے انھوں نے مہر و کاغذات حوالے کئے اور ایک منشی کے بارہ میں سفارش فرمایا جناب حکیم صاحب میرے نزدیک یہ شخص قابل اعتماد ہے۔ آپ بھی بجز اس کے دوسرے پر بھروسا نہ کریں۔ آپ چونکہ بیس برس تک پہلے بھی رہ چکے ہیں اس لئے یہاں کے کل حالات کا تجربہ ہوگا۔ حکیم صاحب نے ان کے اس فرمانے کو تسلیم کیا اور کہا کہ مجھے آپ سے گو نہ حجاب ہے کہ میں آپ کی جگہ پر مقرر ہوا۔ حالانکہ نہ میری یہ نیت تھی اور نہ ارادہ تھا کہ میری وجہ سے کوئی صاحب علیٰحدہ ہوں مجھے کسی اور مد میں یا دیوڑھی خاص میں جگہ دیدی جاتی تو اچھا تھا۔ مجھے آپ کے بزرگوں کی خدمت میں نیاز حاصل ہے حکیم مسیح صاحب سے کلکتہ میں ملا ہوں اور دیگر بزرگوں سے لکھنؤ میں ملاقات کا اتفاق ہوا ہے ان باتوں کے جواب میں حکیم عبدالعلی صاحب نے کہا کہ حکیم صاحب مجھے آپ سے ذرہ بھر شکایت نہیں اس تخفیف

میں میرا گزارہ نہیں ہو سکتا جس جگہ پر زیادہ تنخواہ پاتا، [illegible]
آئندہ مجھے ترقی کی امید نہیں۔ حکیم عبدالعلی صاحب کے فرزند حکیم عبدالولی صاحب بھی اس وقت
موجود تھے۔ الغرض مہر کا غذات محکمہ کے کر حکیم صاحب اپنے فرودگاہ میں واپس آ گئے اور یہ
سب گفتگو اور کارروائی راقم کے روبرو ہوئی تھی۔ چند روز کے بعد محکمہ طبابت کا جملہ سامان
اور عملہ منتقل ہو کر حکیم صاحب کے پاس کچہری صدرالمہامی میں آ گیا۔ محرر شاگرد پیشہ تین چار طبیب
شاہجہان آباد سے آ کر حکیم صاحب کی ماتحتی میں کام کرنے لگے۔ محالات ریاست اور شہر کے
طبیبوں کی مجموعی تعداد جو حکیم صاحب کی ماتحتی میں آئے چالیس بتلائی جاتی تھی جن کی تبدیلی
بحالی بعد حصول منظوری سرکار عالیہ حکیم صاحب کے اختیار میں تھی۔

جنوری ۱۹۲۲ء میں اس سوانح عمری کی بعض دریافت طلب باتوں کے لئے راقم کا
بھوپال جانا ہوا تو محکمہ افسر الاطبائی کے سالانہ خرچ کے بابت حکیم بشیر اللہ خاں صاحب قدن خیل
شاہجہان پوری ملازم و طبیب محکمہ مذکور سے دریافت کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ فی الحال
پچاس ہزار روپیہ سالانہ سے زائد اس محکمہ کا خرچ ہے۔

عہدۂ افسر الاطبائی پر حکیم صاحب کو مبارکبادیاں

جب حکیم صاحب کا تقرر قدیمی جگہ پر ہو گیا تو ان کے عزیز احباب نے مبارکباد کے خطوط لکھے
چنانچہ چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار سندیلہ نے جو تعلقہ داران اودھ میں ایک نامور ذی ہمت
رئیس تھے اس مضمون کا ایک محبت نامہ تحریر فرمایا کہ حکیم صاحب مجھے اس خبر سے نہایت خوشی
ہوئی کہ آپ اپنی قدیمی جگہ پر [illegible] آپ کے پرانے حقوق کا پورا
پورا لحاظ فرمایا۔ اس زمانہ میں آپ جیسے نیک لائق وفادار [illegible] ملازم اور سرکار جیسی قدردان

م شناس رئیسہ کہاں مل سکتی ہیں خدا آپ کو مبارک کرے۔

اسی مضمون کا ایک خط حیدرآباد سے آیا تھا۔ اسی زمانہ میں اودھ اخبار لکھنؤ میں
حکیم صاحب کے متعلق ایک مضمون چھپا تھا کہ آج کل حکیم سید فرزند علی صاحب جو ایک حاذق اور
کہنہ مشق طبیب ہیں ریاست بھوپال میں تشریف لے گئے ہیں اُن کی منزلِ عزیزی کا پتا
اس بات سے چلتا ہے کہ ان کی ذات مرجع خاص و عام ہو رہی ہے اس سے پیشتر بھی آپ وہاں
ی عزت کے ساتھ رہ چکے ہیں۔

حکیم صاحب کی طرف رجوعات

جب حکیم صاحب بھوپال میں قیام پذیر ہوئے تو آپ کے نام صدہا اشخاص کے خطوط آئے
ن میں زیادہ لوگوں نے ملازمت کی استدعا کی تھی مگر چونکہ وہ زمانہ تخفیف کا تھا نواب شاہجہاں بیگم
بیار ریاست اور ان کی صاحبزادی نواب سلطان جہان بیگم ولیہ عہد سے مفسدین نے مخالفت
رادی تھی اس سبب سے ریاست زیر بار کر دی گئی تھی۔ عمال کے مظالم۔ امراض وبائی اور
حط کے حملوں نے اس امر پر مجبور کر دیا تھا کہ تخفیف مناسب کی جائے۔ لہٰذا حکیم صاحب
ی کوشش سے معذور تھے۔ خطوط کے جوابات راقم سے برابر لکھا کر بھیجتے اور حکیم صاحب کا
یادہ وقت انھیں مشاغل میں ضائع ہوتا تھا۔ کاش حکیم صاحب کا زیادہ قیام ہوتا اور ان کا
زگی وفا کرتی اور کوئی جگہ خالی ہوتی یا جدید محکمہ جاری ہوتا تو اپنے سابق مذاق کے
لائق وہ ان لوگوں کو سرکار میں سفارش کر کے ضرور نوکر رکھا دیتے۔ مگر اس وبائے تخفیف
بابی جس نے ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا حکیم صاحب نے اپنی قدیمی عادت کو نہ چھوڑا اور
ششیں شروع کر دیں۔ کبھی نواب عالی جاہ کی خدمت میں چند نوادر دعریوں کو لے جاتے